جوش ملیح آبادی

کا مرثیہ

حسینؑ اور انقلاب

تشریح و تفسیر

سیّد علی رضا

انتساب

ڈاکٹر صغریٰ مہدی صاحبہ پی ایچ ڈی

پروفیسر جامعہ ملیہ یونیورسٹی، نئی دہلی

کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

مرثیہ کے مطالعہ سے پہلے مناسب ہے کہ واقعۂ کربلا کے متعلق چیدہ چیدہ نکات پر نظر ڈال لی جائے تاکہ مرثیہ میں پیش کئے ہوئے تاریخی اشارے یاد کرنے میں قدرے آسانی رہے۔ چند اہم نکات پیش ہیں:-

❖ اسم ھ کے دہے سے ۶۰ ھ کے دہے کے وسط تک معاویہ بن ابی سفیان اسلام کے فرمانروا یعنی خلیفہ رہے۔ ان کا دارالحکومت ملک شام کا شہر دمشق تھا۔ اسی وقت سے اسلام میں اس خاندان کی حکومت کی ابتداء ہوئی جو تاریخ میں بنی امیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

❖ معاویہ نے اپنے مرنے سے کچھ عرصہ قبل یہ مہم شروع کی کہ اپنے بعد کے لئے اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کے خلیفہ ہو جانے کے لیے عمائدین مملکت سے بیعت حاصل کرلیں۔ حالانکہ یہ ان کے اور امام حسنؑ کے صلحنامہ کی خلاف ورزی تھی۔

❖ اس غرض سے انہوں نے مدینہ کا سفر بھی اختیار کیا تاکہ وہاں منجملہ اور اہم افراد کے امام حسین علیہ السلام سے بھی اپنے بیٹے یزید کے لئے ولی عہد یعنی اپنے بعد خلیفہ ہونے کے حق میں بیعت حاصل کریں۔

❖ امام حسین علیہ السلام (جن کو ہم آئندہ مختصراً امامؑ لکھیں

گے) اُس وقت خاندانِ نبوت کے واحد نمائندہ اور سربراہ تھے۔ اور دنیائے اسلام کی اہم ترین فرد مانے جاتے تھے۔

❁ امام علیہ السلام نے یزید بن معاویہ کے ولی عہد کئے جانے یعنی معاویہ کے بعد خلیفہ اسلام ہونے کے حق میں بیعت کرنے سے انکار فرما دیا۔

❁ معاویہ بن ابی سفیان سرِ دست (مصلحتہً) خاموش ہو رہے اور دمشق واپس چلے گئے۔

❁ رجب سنہ ۶۰ھ میں معاویہ ابن ابی سفیان کا انتقال ہو گیا جس پر دمشق یعنی دار الحکومت کے افراد اور پہلے سے مقرر کئے ہوئے عمال وغیرہ نے یزید بن معاویہ کی بحیثیت خلیفہ بیعت کر لی۔

❁ اس طرح یزید بن معاویہ نے۔ بقول زمانہ حال کے مشہور مصری مورخ اور عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔

"بادشاہت شروع کر دی پورے عزم و یقین کے ساتھ کہ ساری دنیا میری تابع فرمان ہے اور سارا کام اسی ڈھرّے پر چلتا رہے گا جس طرح اب تک چلا گیا اور سب سے بڑی بات یہی بھلا دی کہ اس کے باپ نے دنیا کو اپنے لئے ساز گار بنانے اور اپنی اولاد کے لئے حکومت کا راستہ ہموار کر جانے میں کتنی سخت و شدید محنتیں کی تھیں۔

یزید کے لئے یہ برداشت کرنا ناممکن تھا کہ کوئی

شخص اس کی فرمانبرداری سے پہلو تہی کرے ۔ وہ تو
یہ سمجھتا تھا کہ میری اطاعت تمام خلائق پر واجب
ہے ۔ اور جو شخص اس سے انکار کرے گا اس کے
لئے بس تلوار ہی ہے ۔" [۱]

❖ اس وقت امام ؑ اور خاندان نبوت کے دیگر افراد مدینہ میں مقیم تھے ۔

❖ یزید نے مدینہ میں مقرر اپنے گورنر کو حکم بھیجا کہ وہ امام ؑ سے بیعت حاصل کرے اور اگر وہ انکار کریں تو ان کو قتل کر دے ۔

❖ امام ؑ نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر مع افراد خاندان مدینہ سے مکۂ معظمہ چلے گئے ۔

❖ روایت کے مطابق مکہ کے دورانِ قیام امام ؑ کو اطلاعات پہونچیں کہ آپ کو قتل کرنے کے لئے خلیفہ کی طرف سے حاجیوں کے لباس میں افراد بھیجے جانے والے ہیں ۔ حج بیت اللہ کا زمانہ آپہونچا تھا ۔ مگر امام ؑ نے حج سے ایک روز پہلے حج کا ارادہ ترک فرما کر صرف عمرہ ادا کر کے کوفہ چلے جانے کا قصد کر لیا ۔

❖ اس درمیان میں اہل کوفہ امام ؑ کو اپنے یہاں بلانے کے لیے بار بار اور بکثرت خط لکھ رہے تھے ۔ (اسی بناء پر امام ؑ کو مہمانِ کربلا بھی کہا جاتا ہے)

---

[۱] ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب "علیؑ و بنوہؑ" اردو ترجمہ طبع لاہور ۔ ص ۳۵۶ ۔ ۳۵۷

⁘ امام ؑ نے ان خطوط کے بھیجنے والے افراد کا صحیح عندیہ معلوم کرنے کے لئے اپنے ابن عم حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہاں لوگوں سے مل کر اصل حالات معلوم کریں اور اگر وہ لوگ دل سے امام ؑ کے خیر خواہ ہیں اور مدد پر کمربستہ ہیں تو مخفی طور پر ان سے امام ؑ کے حق میں بیعت لیں۔ اسی لئے حضرت مسلم بن عقیل کو امام ؑ کا سفیر کہتے ہیں۔

⁘ جناب مسلم بن عقیل کے کوفہ پہونچنے پر بکثرت افراد امام ؑ کے حق میں بیعت کرنے پر تیار ہو گئے۔

⁘ یہ اطلاع ملنے پر یزید نے کوفہ کے اپنے گورنر نعمان بن بشیر کو بدل کر کوفہ کے علاقہ کو بھی عبید اللہ ابن زیاد کی گورنری میں دیدیا جو پہلے ہی سے بصرہ کا گورنر تھا۔ یہ اس لئے کہ نعمان بن بشیر اہلبیت علیہم السلام پر زیادہ سختی کرنے والا نہ تھا جبکہ ابن زیاد نہایت عیار اور بے رحم انسان تھا۔

⁘ اس عرصہ میں حضرت مسلم بن عقیل ۱۸ ہزار سے زائد افراد سے امام ؑ کے حق میں بیعت لے چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے امام ؑ کو خط روانہ کر دیا تھا کہ جلد تشریف لے آئیں۔

⁘ اس مقام پر ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی مذکورہ قبل کتاب "علی وبنوہ" میں لکھتے ہیں :-

"ابن زیاد نے کوفہ میں قدم جماتے ہی مسلم کی تلاش شروع کر دی یہاں تک کہ اسے اس مکان کا پتہ چل گیا جہاں مسلم فروکش تھے۔ یہ مکان قبیلہ مذحج کے ایک معزز بزرگ

ہانی بن عروہ کا تھا۔ وہ ہانی کے پیچھے پڑ گیا اور اتنی سختی برتی کہ خود ہانی کو اس کے سامنے حاضر ہونا پڑا اور یہ اقرار بھی کرنا پڑا کہ مسلم میرے یہاں فروکش ہیں۔ ابن زیاد نے ہانی کو قید میں ڈال دیا۔ اُن کے قید ہونے پر لوگوں میں ہیجان پیدا ہوا مگر اس ہیجان سے کوئی فائدہ نہیں پہونچا۔

آخر کار مسلم کھل کر میدان میں آگئے۔ اُن کے ساتھ کوفہ کے ہزار دلہا آدمی بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور سب پیش قدمی کرکے مسجد تک آپہونچے۔ لیکن وہاں یہ لوگ ثابت قدم نہ رہے رات آتے آتے سارا مجمع متفرق ہوگیا۔ اور مسلم کو کوفہ کی گلیوں میں تنہا بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔ آپ ایسا گھر ڈھونڈھتے پھرتے جہاں بقیہ شب گزار کر صبح کریں۔ آخر کار آپ عبیداللہ بن زیاد کے پاس گرفتار کرکے لائے گئے۔ اور اس نے آپ کو بالائے بام قتل کیا اور آپ کا سر نیچے پھینک دیا پھر بقیہ جسم بھی۔ ہانی بن عروہ بھی قتل ہوئے اور ان دونوں مقتولین کی لاشیں سولی پر لٹکا دی گئیں تاکہ دوسرے اس سے عبرت حاصل کریں۔"[1]

---

[1] "طٰہٰ حسین۔ "علیؑ و بنوہ" اردو ترجمہ طبع لاہور۔ صہ ۳۵۸۔ ۳۵۹

❖ حضرت مسلم بن عقیلؑ کا خط ملنے پر امامؑ مع اپنے اہل خاندان اور دیگر ساتھیوں کے کوفہ جانے کے لئے تیار ہوگئے۔

❖ اس وقت متعدد افراد نے امامؑ کو کوفہ جانے سے روکنا چاہا۔ جن میں آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ، آپ کے عم زاد بھائی یعنی آپ کی بہن زینب بنت علیؑ و فاطمہؑ کے شوہر عبداللہؓ بن جعفر اور دوسرے سربرآوردہ افراد شامل تھے لیکن امامؑ نے کوفہ کا سفر ترک کرنے سے انکار کردیا بلکہ اہل حرم کو ساتھ نہ لیجانے کا مشورہ بھی رد کردیا۔

❖ ایک روایت کے مطابق امامؑ نے جناب عبداللہؓ بن جعفر کو مقامی حالات پر نگاہ رکھنے کے لئے حجاز (گویا مدینہ) ہی میں رہنے کی ہدایت کی۔ البتہ عبداللہؓ بن جعفر نے اپنے دونوں بیٹوں عون اور محمد کو امامؑ کے ساتھ کردیا۔ نیز جناب زینب بھی اپنے شوہر کی اجازت لے کر امامؑ کے ساتھ رہیں۔

❖ اس مقام پر ڈاکٹر طہٰ حسین نے اپنی محولہ صدر کتاب "علیؑ و بنوہ" میں تبصرہ کے طور پر لکھا ہے:۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ انکار ضد اور ہٹ دھرمی پر نہیں تھا بلکہ اس علم و یقین کی بنا پر کہ یزید بیعت لینے میں ہر ظلم و زیادتی اور سختی اور تشدد سے کام لے گا۔ اس وقت میں اگر بیعت کرلوں گا تو اپنے نفس سے دھوکا، اپنے ضمیر سے خیانت اور اپنے دین کی سرتاسر مخالفت ہوگی۔ اس لئے کہ آپ یزید کی بیعت کو بہت بڑا گناہ تصور"

فرماتے تھے اور اگر بیعت سے انکار کریں گے تو یزید جو چاہے گا میرے ساتھ کر گزرے گا۔" لہ

❖ امام ؑ کے اہل حرم کو ساتھ لے جانے کے متعلق طہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

"حسین نے اپنے گھر والوں کو حجاز میں چھوڑ جانے سے انکار کیا اس میں بھی آپ نے غلطی نہ کی تھی کیونکہ اس کا کوئی اطمینان نہ تھا کہ حریف بن کر عراق چلے جانے کے بعد وہ (یعنی یزید) ہمارے (یعنی امام ؑ کے) گھر والوں کو گرفتار کر کے قید خانہ میں نہ ڈال دے۔

حسین اپنے بھائی بھتیجوں اور بھانجوں کی مختصر جماعت کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس جماعت میں کچھ تو آپ کے بھائی تھے، کچھ امام حسن کے لڑکے تھے، دو لڑکے عبداللہ بن جعفر کے اور کچھ آپ کے چچا عقیل کی اولاد۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی جو دل سے آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ کچھ بدو عرب بھی یہ دیکھ کر کہ آپ یزید سے ٹکر لینے کے لئے عراق جا رہے ہیں آپ کی صحبت کو غنیمت اور منفعت بخش سمجھ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔" ۲ہ

❖ امام ؑ ابھی کوفہ کے راستہ ہی میں تھے کہ آپ کو کوفہ سے آنے والوں کے ذریعہ سے حضرت مسلم بن عقیل کے قتل کی اطلاع مل گئی۔ لیکن آپ

لہ ڈاکٹر طہٰ حسین: "علی و بنوہ" اردو ترجمہ طبع لاہور، صفحہ ۳۶۰ ۲ہ ایضاً صفحہ ۳۶۱-۳۶۲

نے کوفہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔ البتہ آپ نے اپنے ساتھ والوں پر واضح کر دیا کہ آپ سخت ابتلاء کی طرف جا رہے ہیں جس کا آخری نتیجہ یقینی موت ہے۔

❖ اُدھر عبیداللہ ابن زیاد نے حر بن یزید ریاحی کو ایک ہزار سپاہیوں کا افسر مقرر کر کے اس تاکید کے ساتھ روانہ کیا کہ امامؑ کو کوفہ جانے سے راستہ ہی میں روک لے اور اُن کے ساتھ رہ کر تا حکم ثانی ان کی نگرانی کرتا رہے۔

❖ جب حر بن یزید ریاحی کی ملاقات امامؑ سے ہوئی تو اتفاقاً حُر کے لشکر کا پانی ختم ہو چکا تھا اور لشکر کے آدمی اور جانور سب پیاس سے جاں بہ لب تھے۔ امامؑ نے اُن سب کو پانی پلوا دیا۔

❖ حُر اور امامؑ کے درمیان بات چیت ہوئی تو حُر نے آپ سے کہہ دیا کہ میں آپ کو کوفہ جانے سے روک دینے پر مامور ہوں۔ امامؑ اس وقت جنگ کرنا خلافِ مصلحت خیال فرماتے تھے اس لئے حُر کی نگرانی میں چلتے رہے یہاں تک کہ کوفہ کی بجائے کربلا کے میدان میں پہونچ کر رُک گئے۔ یہ ۲ محرم ۶۱ھ تھی۔

❖ امامؑ نے وہیں قیام فرمایا اور دریائے فرات کے کنارے جو میدان کربلا سے گزرتا تھا اپنے خیمے نصب فرما لئے

❖ ۳ محرم کو ابن زیاد کا بھیجا ہوا ایک اور افسر عمر بن سعد چار ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ امامؑ سے مقابلہ کے لئے وہاں پہونچ گیا۔

❖ امامؑ کو مجبور کیا گیا کہ اپنے خیمے دریا کے کنارے سے ہٹا کر دور نصب کریں۔ امامؑ نے ایسا ہی کیا کیونکہ آپ صرف پانی تک رسائی قائم رکھنے کے لئے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔

عمر بن سعد کی امام ؑ سے ملاقات کا حال ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے الفاظ میں سنیئے :۔

"عمر سعد لشکر لئے امام حسین ؑ کے قریب پہونچا اور آپ سے عراق تشریف آوری کا سبب پوچھا۔ امام حسین ؑ نے جواب دیا کہ کوفہ والوں ہی نے مجھے خط لکھ لکھ کر بلایا ہے۔ اور ساتھ دینے کا قول و قرار کیا ہے۔ آپ نے باشندگان کوفہ کے خط بھی عمر سعد کو دکھلائے۔ جن لوگوں نے یہ خط لکھے تھے ان میں سے بعض عمر سعد کے لشکر میں بھی موجود تھے اور اس کے ساتھ امام حسین ؑ سے جنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔ یہ خطوط ان لوگوں کو بھی دکھلائے گئے۔ سب نے انکار کیا کہ ہم نے یہ خط لکھا ہی نہیں سب نے قسم کھائی کہ ہمیں کچھ بھی پتہ نہیں کہ یہ کیسے خطوط ہیں اور کب لکھے گئے ہیں۔ امام حسین ؑ نے عمر سعد کے سامنے تین تجویزیں رکھیں یا تو مجھے حجاز واپس جانے دیا جائے جہاں سے ہم آئے ہیں واپس چلے جائیں یا ہمیں یزید کے پاس شام لے جایا جائے۔ ہم اور یزید خود نبٹ لیں گے۔ یا ہمیں کسی اسلامی سرحد کی طرف چلے جانے دیا جائے جس طرح دوسرے بہت سے اسلامی لشکر دشمن کے مقابلہ پر صف آرا ہیں ہم بھی وہاں مقیم رہیں گے۔ اور جس طرح اسلامی لشکروں کے مشاہرے ملتے ہیں ہم بھی پائیں گے اور انہیں کی طرح دشمن سے جنگ کریں گے۔ عمر سعد راضی ہو گیا اور کہا

میں اس سلسلہ میں ابن زیاد سے مشورہ کرتا ہوں۔ اس نے ابن زیاد کو حسین کی یہ تجویزیں لکھ بھیجیں مگر ابن زیاد نے انکار کیا اور کہا کہ اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں کہ حسین میری اطاعت قبول کریں۔ اس نے اس مضمون کا خط لکھ کر شمر بن ذی الجوشن کے ہاتھوں عمر سعد کے پاس روانہ کیا اور اسے تاکید کی کہ میرا یہ خط عمر سعد کو پڑھ کر سُنانا اور دیکھنا وہ کیا کرتا ہے۔ اگر وہ حسینؑ سے جنگ کرنے پر تیار ہو جائے تو اسی کے ساتھ رہنا اور اس کی نگرانی کرتے رہنا جب تک حسینؑ کے معاملہ سے فراغت نہ ہو جائے۔ اور اگر وہ انکار کرے یا سُستی کرے تو اسے قتل کر ڈالنا اور لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لینا۔ عمر سعد نے جیسے ہی ابن زیاد کا خط پڑھا اور شمر کو جو تاکیدیں کر کے بھیجی تھیں ان تاکیدوں کا حال معلوم ہوا تو فوراً حسینؑ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اور امام حسینؑ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ابن زیاد کی اطاعت قبول کیجئے۔ امام حسینؑ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور کہا اس سے تو مرجانا بہتر ہے۔ [۱]

:. ساتویں محرم سے دشمن نے دریائے فرات پر پہرہ بٹھا کر امامؑ پر دریا سے پانی حاصل کرنا بند کر دیا۔

:. ۹ محرم کو صبح عمر سعد نے امامؑ پر حملہ کشی کر دی۔ اس کے آدمیوں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر امامؑ نے اپنے بھائی حضرت عباس بن علیؑ کو عمر سعد کے پاس بھیج

---

[۱] طٰہٰ حسین "علی و بنوہ" اردو ترجمہ طبع لاہور۔ ص ۳۶۳-۳۶۴

کر جنگ سے پہلے ایک دن اور ایک رات کی مہلت حاصل کرلی۔ گویا محرم کی ۱۰ تاریخ جنگ کے لئے ٹھہر گئی۔

❖ ۱۰ محرم کو قدیم زمانہ سے روز عاشور یا عاشورا کہا جاتا رہا ہے اور اسی لئے اس سے قبل کی شب کو شب عاشور کہا جاتا ہے۔ اور یہ شب واقعۂ کربلا کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس شب میں امامؑ نے اپنے تمام اعزا و انصار کو جمع فرماکر ان کے سامنے واضح فرما دیا کہ آنے والی صبح کو میرے اور میرے سب ساتھیوں کے لئے موت اور یقینی موت ہے۔ کسی فرد کے بچنے کا امکان نہیں ہے۔ لیکن دراصل یہ دشمن صرف میری جان کے درپے ہیں اس لئے میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ جس کو موت منظور نہ ہو وہ بہ خوشی میرا ساتھ دینے کا عہد و پیمان ختم کرکے چلا جائے۔ اب سب سے پہلے حضرت عباس نے نہایت ذی اثر اور دل دوز انداز میں فرمایا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا اگر ہم ایسا کریں گے تو قیامت کے روز رسول خداؐ کو کیا منھ دکھائیں گے۔ آپ کے بعد انصار میں سے متعدد افراد نے اسی قسم کی تقریریں زبان کیں۔ امامؑ نے سب کے لئے دعاء خیر کے کلمات فرمائے اور باقی شب سب نے عبادت الٰہی میں گزاری۔

❖ صبح عاشور امامؑ نے اپنی مختصر فوج کی جس میں محض بہتر افراد یعنی ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے تھے صف آرائی فرمائی اور اپنے بھائی حضرت عباس بن علیؑ کو لشکر کا علمدار مقرر فرمایا۔ حضرت عباس حسن و جمال میں اس قدر یکتا تھے کہ قمرِ بنی ہاشم کہلاتے تھے۔ اور فن سپہ گری اور بہادری میں بھی

بہت نامور تھے

:: صبح عاشور ہی یہ حیرت خیز واقعہ ہوا کہ حر بن یزید ریاحی جنہوں نے امام ؑ کو راستہ میں مزاحمت کر کے کوفہ جانے سے روک کر اپنی نگرانی میں کربلا پہونچایا تھا عاشور سے قبل رات بھر اس خیال سے بے چین رہنے کے بعد کہ کیونکر اپنے ہی نبی ؐ کے نواسے اور دین کے فی الوقت سربراہ کے قتل میں شریک رہوں صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے اور غلام کو ساتھ لے کر امام ؑ کی خدمت میں آئے اور سخت شرمندگی کے ساتھ معافی کے خواستگار ہوئے۔ اور آپ کی طرف سے دشمن سے جنگ کر کے ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے شہید ہوئے۔

:: ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب "علیؑ و بنوہ" کے اردو ترجمہ طبع لاہور کے صفحہ ۳۶۵-۳۶۶ کے حاشیہ کے مطابق استاد عباس محمود العقاد اپنی کتاب "ابوالشہداء" میں لکھتے ہیں :-

"ابن زیاد کے لشکر میں حُر بن یزید ریاحی جیسے سیکڑوں آدمی ہونگے جن کے دینی عقائد تھے جو حُر کے تھے جن کی تمنا تھی کہ کاش ہم بھی حُر کے ساتھ حسینی لشکر میں پہونچ جاتے۔ انہیں یہ بات بہت ہی شاق تھی کہ حُر اُن کی آنکھوں کے سامنے لشکر حسین میں چلے جائیں اس لئے کہ حُر کے اس اقدام نے انہیں جھنجھوڑ کے رکھ دیا اور انہوں نے اپنے نفس کو جو مغالطے دے رکھے تھے ان مغالطوں کی قلعی کھل گئی"۔

:: بہرحال جنگ شروع ہوئی اور پہلے امام ؑ کے انصار اور تمام

انصار کے شہید ہو جانے کے بعد امامؑ کے اعزا و اقربا میں سے ایک ایک کر کے مثلاً حضرت عباس کے تینوں بھائی، جناب عبداللہ بن جعفر کے دونوں بیٹے، امام حسنؑ کے دو بیٹے عبداللہ بن حسن اور قاسم بن حسن، جناب مسلم بن عقیل کے بروایتے دو بیٹے، خود امامؑ کے وہ فرزند جو عام طور پر علی اکبر کے نام سے معروف ہیں اور لشکر حسینی کے (اگر اس مختصر جماعت کو لشکر کہا جا سکے) حضرت عباس علمدار باری باری امامؑ سے اجازت لے کر دشمن کا مقابلہ کرتے اور متعدد افراد کو قتل کرنے کے بعد خود بھی شہید ہوتے گئے۔

ان میں سے تین شہیدوں یعنی حضرت قاسم بن حسنؑ، حضرت علی اکبر اور حضرت عباس علمدار سے کچھ خصوصیات منسوب ہیں۔

حضرت قاسم بن حسن :۔ آپ کے متعلق بعض روایات میں ہے کہ لَمْ یَبْلُغِ الْحُلُمَ یعنی آپ سن بلوغ کو نہ پہونچے تھے۔ آپ جسم اور قد میں اسقدر چھوٹے تھے کہ کوئی زرہ آپ کے جسم مبارک پر پوری نہ اترتی تھی۔ اور گھوڑے پر سواری کے وقت آپکے پائے مبارک رکابوں تک نہ پہونچتے تھے۔ حسن و زیبائی میں آپ مثل ماہ منیر تھے کہ دشمن بھی آپ کو دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ ایک مشہور روایت کے مطابق امامؑ نے عاشور سے ایک روز قبل آپ کا نکاح اپنی بیٹی فاطمہ کبریٰ سے کر دیا تھا اسی لئے آپ کو دولہا کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے جنگ کے وقت آپ نے انفرادی مقابلوں میں مشہور شامی جنگ آزما ازرق کے چار بیٹوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر ڈالا۔ اور جب خود ازرق غصہ میں بھرا ہوا آپ کے مقابلہ کے لئے آیا تو بروایتے آپ نے اس کو ایک معمولی سی طفلانہ ترکیب سے فوراً ہی زیر کر لیا۔ وہ اس طرح کہ جیسے ہی وہ سامنے آیا آپ نے اس سے کہا ارے تیرے جوتے کے تسمے کھلے ہوئے ہیں اور جونہی

وہ جوتے کی طرف جھکا آپ نے ایک ہی کاری ضرب سے اس کو گرا لیا اور اس کا کام ختم کر دیا۔ بس اب کیا تھا دشمن کے فوجیوں نے مل کر آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے امامؑ کو آواز دی اے چچا جان آئیے مدد کو۔ امامؑ آپ کی طرف لپکے مگر اس ہجوم میں آپ کا جسم نازنین گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو کر پاش پاش ہو گیا۔

:: حضرت علی اکبر امامؑ کے منجھلے فرزند یعنی امام علی بن الحسین زین العابدینؑ سے چھوٹے اور کربلا کے شیرخوار شہید حضرت علی اصغر سے بڑے تھے۔ آپ صورت اور سیرت اور بول چال میں جناب رسول خدا سے مشابہ تھے۔ اسی لئے ہم شکل پیمبرؐ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ آپ جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو امامؑ نے آسمان کی جانب ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ اے اللہ تو دیکھ لے کہ اب ان اشقیا سے مقابلہ کے لئے میرا وہ بیٹا جا رہا ہے جو صورت و سیرت اور بول چال میں تیرے نبیؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ آپ نے انفرادی مقابلہ میں متعدد افراد کو قتل کیا۔ بالآخر ایک شقی نے آپ پر برچھی سے ایسا وار کیا کہ برچھی کی انی آپ کے دل میں پیوست ہو کر ٹوٹ گئی۔ آپ گرے اور فوراً ابا امامؑ کو آواز دی: آئیے مدد کو۔ اس طرح آپ درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

:: حضرت عباس علمدار نے امامؑ سے جنگ پر جانے کی اجازت چاہی تو ساتھ ہی امامؑ نے آپ سے بچوں کے لئے دریائے فرات سے پانی لانے کے لئے بھی فرمایا کیونکہ ۷ محرم سے امامؑ اور آپ کے رفقا پر پانی بند تھا اور دریا پر دشمن کی فوج کا پہرہ تھا۔ چنانچہ حضرت عباس نے ایک مشک ساتھ لے لی۔ آپ سپاہ حسینی کے علمدار بھی تھے اس لئے آپ مشک و علم دونوں چیزیں لے کر دریا کی طرف بڑھے اور سخت مزاحمت کے باوجود آپ نے دریا تک پہونچ کر مشک بھری۔ مگر پانی

ے کر واپسی کے وقت دشمن نے سخت مزاحمت کی تاکہ پانی امامؑ کے خیموں تک نہ پہونچ جائے۔ حضرت عباس مشک وعلم کی حفاظت کی خاطر دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنے خیموں کی سمت بڑھتے رہے لیکن دشمن کے ایک فرد نے آپ کا ایک ہاتھ قطع کر دیا۔ اور چند قدم کے بعد ایک دوسرے فرد نے آپ کا دوسرا ہاتھ بھی قطع کر دیا۔ اسی کے ساتھ دشمن نے تیر مار کر مشک کا پانی بہا دیا۔ دونوں ہاتھ قطع ہونے پر بھی حضرت عباسؑ امامؑ کے خیموں کی طرف بڑھتے رہے کہ ایک شقی نے آپ کے سرِ مبارک پر گرز سے سخت ضرب لگائی، جس سے آپ تیورا کر گھوڑے سے نیچے گر گئے۔ آپ نے امامؑ کو آخری سلام کے لئے آواز دی، چنانچہ آپ کا سر مبارک امامؑ کے زانوئے مقدس پر تھا کہ آپکی روح مفارقت کر گئی۔

❖ اب امامؑ خود جنگ پر جانے سے قبل اہل حرم سے رخصت ہونے کے لئے خیام میں تشریف لائے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے ششماہے فرزند حضرت علی اصغر پیاس سے جاں بہ لب تھے۔ آپ حضرت علی اصغر کو گود میں لے کر میدان میں تشریف لائے تاکہ بچہ کے لئے پانی طلب فرما کر اتمامِ حجت فرمالیں۔ پس آپ نے حضرت علی اصغر کو گود میں لے کر دشمن کے لشکر کو دکھایا اور فرمایا کہ یہ بچہ تو بے خطا ہے۔ کم از کم اس کو تو پانی پلا دو۔ اس وقت عمر سعد نے اپنے تیر اندازوں کے افسر حرملہ بن کاہل اسدی کو حکم دیا کہ حسینؑ کی بات کاٹ دے۔ اس نے فوراً اپنی کمان میں تیر جوڑ کر حضرت علی اصغر کو ایسا نشانہ بنایا کہ تیر آپ کے گلوئے مبارک پر لگا اور علامہ ہبۃ الدین حلیؒ مصنف نہضۃ الحسین کے الفاظ میں فترفرف الرضیع علیٰ یدی الحسین یعنی وہ شیر خوار امامؑ کے ہاتھوں پر پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

❖ اب امامؑ خود میدان جنگ میں تشریف لائے اور مقابلہ پر آنے والے افراد کو قتل کرتے رہے۔ بالآخر ہر طرف سے حملہ آوروں سے گھر گئے یہاں تک کہ زخموں سے

چور ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرے۔ اور شمر بن ذی الجوشن نے آپ کا سرِ مقدس تنِ مطہر سے جدا کر دیا۔

∴ امامؑ کے شہید ہو جانے کے بعد خاندان نبوی میں مخدرات عصمت اور کم سن بچوں کے علاوہ صرف امامؑ کے بڑے فرزند یعنی حضرت علی بن الحسین زین العابدینؑ زندہ بچے تھے کیونکہ آپ بیماری کے باعث اس جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اب عمر سعد کے حکم سے امامؑ کے خیموں کا تمام سامان لوٹ لیا گیا حتیٰ اینکہ مخدرات کی سروں کی چادریں بھی چھین کر ان کو برہنہ سر کر دیا گیا جو اس زمانہ کی تہذیب میں عورتوں کے ساتھ حد درجہ ذلت و تحقیر کا برتاؤ مانا جاتا تھا۔

∴ دوسرے روز یعنی ۱۱ محرم کو تمام عورتوں اور بچوں اور امام زین العابدینؑ کو قیدی بنا لیا گیا۔ اور تمام شہیدوں کے سر ہائے مقدس جسموں سے کاٹ کر نیزوں پر بلند کر کے قیدیوں کے ساتھ کر دئے گئے۔ تب اسطرح یہ قافلہ عبید اللہ ابن زیاد کے سامنے دربار میں پیش کئے جانے کے لئے کوفہ روانہ کر دیا گیا۔ دربار میں پیش کئے جانے سے پہلے خاندان رسولؐ کے اس قیدی قافلہ کو کوفہ کے بازاروں سے گزارا گیا۔ کوفہ کے بازار میں جناب زینب بنت علیؑ نے پُر زور تقریروں کے ذریعہ عوام کو اپنی حیثیت سے آگاہ کر کے بتایا کہ کس طرح مسلمانوں نے خود اپنے نبیؐ کریم کے خاندان کو تباہ کر کے ذلت کے ساتھ بازاروں میں پھرایا ہے۔

∴ کوفہ میں چند روز قیام کے بعد خلیفہ وقت یزید بن معاویہ کا حکم آجانے پر یہ قافلہ خلیفہ کے سامنے پیش کئے جانے کے لئے دمشق جو اس وقت اسلام کا مہتم بالشان دار الحکومت تھا بھیج دیا گیا۔ دربار میں پیش کئے جانے پر خود خلیفہ یعنی یزید بن معاویہ نے صرف جناب زینب بنت علیؑ سے حقارت آمیز گفتگو کی بلکہ امامؑ کے سرِ بریدہ کو طشت میں اپنے سامنے رکھوا کر حد درجہ بے ادبی کا برتاؤ کیا۔ دربار میں پیش ہونے کے بعد ان سب قیدیوں

کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ قید ہی کی حالت میں امامؑ کی بیٹی جناب سکینہ بنت الحسینؑ کا انتقال ہو گیا۔

کچھ مدت کے بعد رہائی کا حکم ہوا۔ پس امام زین العابدینؑ کی سربراہی میں، امام حسینؑ کے اہل حرم اور آپ کے اعزا و انصار کی یہ سب عورتیں اور بچے کربلا ہوتے ہوئے مدینہ واپس ہوئے۔ اس وقت کی اہل بیت کے اس کاروان کی حالت اس مرثیہ کے پہلے دو شعروں سے ظاہر ہوتی ہے جو ایک روایت کے مطابق جناب زینب کی بہن بی بی امّ کلثوم نے مدینہ پہونچنے پر فی البدیہہ پڑھا تھا۔ وہ شعر یہ ہیں:-

مَدِیْنَۃَ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِیْنَا فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْاَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْکِ بِالْاَهْلِیْنَ جَمْعاً رَجَعْنَا اِلَیْکِ لَا رِجَالَ وَلَا بَنِیْنَا

یعنی اے ہمارے نانا کے شہر ہم تیرے اندر قدم رکھنے کے ہرگز سزاوار نہیں ہیں کیونکہ ہم غم و اندوہ میں سراپا ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں سے گئے تھے تو سارا کنبہ ہمارے ساتھ تھا اور اب آئے ہیں تو اس حال سے کہ ہمارے مرد قتل کر ڈالے گئے ہیں اور بچوں سے ہماری گودیں خالی ہیں۔

یہ تھا واقعہ کربلا کا بہت بہت بہت مختصر خاکہ۔ اب تتمہ کلام کے طور پر ہم یہاں اس واقعہ پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا وہ اجمالی تبصرہ من و عن پیش کئے دیتے ہیں جو موصوف نے اپنی محولہ صدر کتاب "علی و بنوہ" میں امام حسینؑ کے اس عظیم اقدام کے بارے میں چند شبہات دور کرنے کے لئے درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

کہا جاتا ہے کہ حسین نے یزید سے بغاوت کی اس کی بیعت ٹھکرا دی اور کوفہ کی طرف اس غرض سے روانہ ہوئے کہ وہاں والوں کو بھی یزید سے بغاوت پر آمادہ کریں اور لوگوں کی شیرازہ بندی درہم برہم کر کے مسلمانوں میں وہی جنگ و جدال کی کیفیت پیدا کریں جو ان کے پدر بزرگوار کے زمانہ میں تھی اس بنا پر یزید اور اس کا گورنر عراق عبید اللہ بن زیاد شر و فساد میں پہل کرنے والے اور فتنہ کی

آگ بھڑکانے والے نہیں قرار پاتے ان دونوں نے تو صرف اپنی سلطنت اور اقتدار کی حفاظت کی تھی اور مسلمانوں کے اتحاد اور اُن کی شیرازہ بندی کو باقی رکھنا چاہا تھا۔

یہ بات اُسی وقت درست ہو سکتی تھی جبکہ حسینؑ قطعی طور لڑنے بھڑنے پر تُلے ہوتے وہ کسی قسم کی باہمی گفت و شنید اور اپنے ارادہ سے باز آنے پر تیار نہ ہوتے لیکن حسینؑ نے تو خود تین تجویزیں پیش کی تھیں جو تجویز بھی منظور کر لی جاتی وہ اس قصہ کو ختم کر دینے کے لیئے کافی تھی تھی اگر آپ کا راستہ چھوڑ دیا جاتا اور حجاز واپس جانے دیا جاتا تو یقیناً آپ مکہ واپس چلے آتے جہاں کشت و خون آپ پسند ہی نہیں کر سکتے تھے اسلئے کہ وہ بلد الحرام ہے وہاں خوں ریزی جائز نہیں، پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے موقع پر صرف ایک گھڑی کے لیئے اپنے لیئے جائز رکھا تھا اور پھر ہمیشہ کے لیئے حرام اور اگر آپکو یزید ہی کے پاس چلے جانے دیا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ آپ میں اور یزید میں کسی بھی قسم کا سمجھوتہ ہو جاتا یا انھیں ہی کسی مضبوط دلیل سے قائل کر لیتا جس میں کسی جھگڑے تکرار کی گنجائش نہ ہوتی۔ یا آپ کو کسی اسلامی سرحد کی طرف چلے جانے دیا جاتا وہاں عام مسلمانوں کی طرح آپ بھی رہتے دشمن سے جنگ کرتے اور فتوحات میں شریک ہوتے نہ آپ کسی دوسرے کے لیئے باعث اذیت ہوتے نہ مسلمان آپ کے ذریعے ایذا۔ لیکن ابن زیاد کے سامنے تو آپ کو بالکل مجبور و بے بس اور ایک ایسے شخص کے آگے سر جھکانے پر مجبور کرنا چاہتے تھے جس کا آپ سے کوئی میل نہ تھا نہ وہ آپ کے ہمسر تھا نہ برابر۔ لہذا جتنی بھی خرابیاں پیش آئیں وہ سراسر ظلم و زیادتی سرکشی و تمردہی کا نتیجہ تھیں۔ ابن زیاد کو یہ خوش فہمی تھی کہ میں حسینؑ کو قتل کر کے اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا شیعہ اپنے بارے میں مایوس ہو جائیں گے لہذا میں انھیں مجبور کر دوں گا کہ وہ اپنی امیدوں اور آرزوؤں کی دنیا سے نکل کر ہمارے حلقہ اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہو جائیں جس میں بہر حال انھیں داخل ہونا ہی ہے اس کے علاوہ اُن کے لیئے کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

لیکن جیسا کہ آپ دیکھیں گے ابن زیاد سوا اسکے اور کچھ نہ کر سکا کہ اس نے فتنہ کی آگ بھڑکا دی۔ خرابی خرابی کو دعوت دیتی ہے اور خون خون مانگتا ہے۔ پھر قتل و خوں ریزی میں یہ حد درجہ اسراف مقتولین، اور مقتولین کی عورتوں بچوں کے ساتھ یہ بربریت و شقاوت کہ تمام

مقتولین کے جسموں کا لباس لوٹ لیا گیا حالانکہ انھیں مقتولین میں فاطمہؑ کا فرزند اور فاطمہؑ کے پوتے نواسے بھی تھے علیؑ کے فرزندوں اور اصحاب حسینؑ کی لاشیں لوٹ لی گئیں عورتوں کے زیورات ان کے سروں سے برقعہ و چادر چھین لی گئی کہ یزید مجبور ہوا کہ لوٹے ہوئے سامان کے بدلے دوسرا سامان انھیں فراہم کرے۔

حضرت علیؑ خدا کی ان پر رحمت نازل ہو اپنے اصحاب کو جنگ سے پہلے تاکید کیا کرتے کہ کسی بھاگتے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا کسی زخمی کی جان لینے کی کوشش نہ کرنا شکست خوردہ دشمن سے ان کے ہتھیار اور گھوڑوں کے سوا کچھ نہ چھینا جائے۔ صفین کی جنگ میں انھیں ہدایتوں پر عمل ہوا مگر ابن زیاد نے حسینؑ اور ان کے اصحاب کے ساتھ جو سلوک کیا وہ نرالا بھی تھا اور انتہائی ہولناک بھی آج تک مسلمانوں کو اس سے سابقہ نہ پڑا تھا حتیٰ کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں بھی اس سلوک کی نظیر ڈھونڈھے سے نہیں ملتی۔

پھر قیامت یہ کہ ابن زیاد کو نہ تو یزید کی طرف سے کوئی سزا ہی بھگتنا پڑی نہ کسی زجر و توبیخ ہی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ اس نے تو یزید کی خوشنودی و رضامندی ہی پائی۔

اس واقعہ کربلا کے بعد اپنے فرزندوں کے متعلق علیؑ کی وہ آزمائش و مصیبت انتقام کو پہنچی جیسی آزمائش و مصیبت آج سے پہلے کسی مسلمان کو بھی جھیلنا نہ پڑی تھی اس واقعہ میں آپ کے فرزند حسین فاطمہؑ کے جگر گوشے، اور عباس و جعفر و عبداللہ و عثمان اور محمد و ابوبکر شہید ہوئے یہ آپ کے ساتوں فرزند ایک ہی دن قتل ہوئے حسینؑ کے فرزند علی اکبر اور ان کے بھائی عبداللہ اور انکے بھائی امام حسن کے بیٹے ابوبکر اور قاسم شہید ہوئے۔ یہ پانچوں فاطمہؑ کے پوتے تھے۔ عبداللہ بن جعفر طیار کی اولاد سے محمد و عون قتل ہوئے ان کے علاوہ جناب عقیل کی نسل سے بھی ایک افراد قتل ہوئے مسلم بن عقیل تو پہلے ہی کوفہ میں شہید ہو چکے تھے۔ ان حضرات کے علاوہ حسین کے وہ تمام انصار و اصحاب اور غلام درجۂ شہادت پر فائز ہوئے چنانچہ یہ مصیبت اولاد ابی طالبؑ کے لیے عموماً اور بنی فاطمہؑ کے لیے خصوصاً انتہائی الم انگیز مصیبت تھی پھر خود اسلام

12357

نے لئے بھی عظیم ترین مصیبت ۔ اس واقعہ میں علانیہ خداوندعالم کے اس حکم کی مخالفت کی گئی جو اس نے لوگوں کے ساتھ نرمی برتنے خیر خواہی کرنے اور ناحق خون ریزی سے اجتناب کرنے کا دیا ہے اور وہ حرمتیں برباد کی گئیں جن کی نگہداشت اور جن کا پاس دلحاظ کرنا ہر چیز سے بڑھ کر واجب تھا یعنی رسول خدا کی حرمت جس کے متعلق مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ انتہائی احتیاط سے کام لیں اور اس حرمت کی بربادی کو گناہ کبیرہ سمجھیں۔

یہ سب کچھ اس وقت ہوا جبکہ پیغمبرؐ کو انتقال کئے ہوئے ابھی پچاس ہی برس گذرے تھے پھر اگر یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ امام حسنؑ بھی زہر دے کر شہید کئے گئے تھے جس کا چرچا ہر زبان پر تھا اٹھتے بیٹھتے لوگ اس کا تذکرہ کیا کرتے کہ حسن مسموم شہید ہوئے تاکہ یزید کی ولیعہدی کی راہ کھل جائے تو ہم کو اندازہ ہو گا کہ معاویہ اور اس کے لڑکے یزید کے زمانہ میں مسلمانوں کے معاملات خرابیوں کی انتہائی حد تک جا پہونچے تھے۔" [1]



[1] ڈاکٹر طہٰ حسین: "علیؑ و بنوہ"۔ اردو ترجمہ طبع لاہور۔ صفحہ ۳۶۹-۳۷۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

حُسینؑ اور انقلاب

تشریح و تفسیر

ہمراز، یہ فسانۂ آہ و فغاں نہ پوچھ
دو دن کی زندگی کا غم این و آں، نہ پوچھ (۱)
کیا کیا حیاتِ ارض کی ہیں تلخیاں، نہ پوچھ
کس درجہ ہولناک ہے یہ داستاں، نہ پوچھ
تفصیل سے کہوں، تو فلک کانپنے لگے
دوزخ بھی فرطِ شرم سے منہ ڈھانپنے لگے

پہلا شعر: شرح الفاظ: ہمراز = راز یعنی بھید سے واقف۔ مراد ساتھی یا ہر شخص فسانہ = قصّہ، کہانی، مراد حال احوال۔ آہ و فغاں = غم یا رنج محسوس ہونے پر چیخنے چلّانے کی آواز۔ نہ پوچھ = یہ محاورہ ہے، جب کوئی بات بیان کرنے کے قابل یا مناسب نہ ہو تو کہتے ہیں یہ نہ پوچھئے۔ یعنی یہ بیان کرنے کے قابل نہیں ہے اس لئے اس کا نہ پوچھنا بہتر ہے۔ یہ محاورہ خوشی، غم، تعجب، مبالغہ وغیرہ ہر موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ دو دن کی زندگی = مراد اس دنیا کی مختصر زندگی جو بہرحال ختم ہونے والی ہے جس

کا زمانہ پیدائش اور موت کے دو دنوں کے درمیان ہوتا ہے۔

رواں مطلب: اے ساتھی اس دنیا کی مختصر زندگی میں جو غم اٹھانے پڑتے ہیں وہ قابلِ بیان نہیں ہیں

دوسرا شعر: شرح الفاظ :- حیات = زندگی۔ ارض = زمین مراد دُنیا۔ حیاتِ ارض = دنیا کی زندگی۔ تلخیاں = تلخی کی جمع معنی کڑواہٹ مراد تکلیف دینے یا رنج پہونچانے والے واقعات یا چیزیں۔ ہولناک = ڈرانے والی، پُرخوف داستان = قصّہ، کہانی۔

رواں مطلب: اس دنیا کی زندگی کے تکالیف پہونچانے والے حالات کے قصّے اس قدر ڈرانے والے ہیں کہ ان کا بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ: تفصیل سے کہنا = کھول کر بیان کرنا۔ فلک = آسمان خیال رہے کہ اردو (اور فارسی) ادب میں آسمان کو ان تکلیفوں اور غموں وغیرہ کا باعث اور ذمہ دار کہا جاتا ہے جو انسان کو اس دنیا میں پہونچتے ہیں۔ دوزخ = اسلامی عقیدہ کے مطابق وہ مقام جہاں ان لوگوں کو جنہوں نے اس دنیا میں بُرے اعمال کئے ہونگے اللّٰہ کی طرف سے سزائیں دی جائیں گی۔ فرط = زیادتی۔

رواں مطلب: یہ شعر پہلے دو شعروں سے مربوط ہے۔ یعنی شاعر نے پہلے دو شعروں میں جو بات شروع کی ہے اسی کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر میں دنیا میں پڑنے والی مصیبتوں کو پوری طرح کھول کر بیان کر دوں تو آسمان جو (شاعرانہ تصور کے مطابق) خود ہی انسان پر ان تکلیفوں کو ڈالتا ہے ان کے بیان کو سن کر

خوف سے کانپنے لگے۔ اور اسی طرح دوزخ کو بھی جو سخت سزائیں دئے جانے کی جگہ ہے ان تکلیفوں کو سن کر ایسی شرم محسوس ہو کہ وہ اپنا منہ چھپا لے جیسی طرح آدمی اپنے کرتوتوں کا حال سن کر شرم میں منہ چھپا لیتے ہیں۔

(۲)

ہر قہقہے کی گونج میں ہے چشم اشکبار
دنیا کی ہر خوشی ہے غم و درد سے دوچار

نسرین و نسترن میں بھی پنہاں ہے نوکِ خار
کیا خار و خس کہ وہ تو ہیں معتوب روزگار

نغمے ہیں جنبشِ دلِ مضطر لئے ہوئے
گل برگ تک ہے بُرشِ خنجر لئے ہوئے

پہلا شعر: شرح الفاظ:- دوچار ہونا = ایک دوسرے کے بالمقابل ہونا (جس طرح دو افراد کے آمنے سامنے ہوئے پر دونوں کی چار آنکھیں ایک دوسرے کے سامنے ہو جاتی ہیں) یہاں مراد ہے ایک دوسرے سے ملا ہونا یعنی خوشی کا غم سے ملا ہوا ہونا ساتھ ساتھ ہونا۔ قہقہہ = آواز کے ساتھ ہنسنا۔ گونج = آواز کے ردِّ عمل کی صدا جو آواز کے فضا میں پھیلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ چشم = آنکھ اشکبار = آنسو بہاتی ہوئی۔

رواں مطلب:- اس دنیا کی ہر خوشی میں غم ملا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں گویا ہنسی کی ہر آواز میں آنسو بہاتی ہوئی آنکھ کی کیفیت موجود ہوتی ہے۔

اسی مفہوم کا حسن شاہجلالی کا شعر ہے:

یارب عقب میں جس کے نہ ہو کوئی درد و غم
کیا اس جہاں میں کوئی بھی ایسی خوشی نہیں

دوسرا شعر: شرح الفاظ:۔ خار = کانٹا۔ خس = گھاس۔ معتوب = سزا دئے ہوئے
مراد روندے ہوئے۔ روزگار = دنیا۔ نسرین و نسترن = پھولوں
کے نام ہیں۔ پنہاں = پوشیدہ، چھپا ہوا۔

رواں مطلب: کانٹوں اور گھاس کا ذکر ہی کیا وہ تو دنیا میں برے مانے ہی جاتے ہیں
یہاں تو پھولوں میں بھی کانٹوں جیسی تکلیف پہونچانے والی خاصیت
چھپی ہوتی ہے۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ:۔ نغمے = گانے (جو عام طور پر خوشی کی علامت ہوتے ہیں)۔
جنبش = حرکت۔ (یہ قابل لحاظ ہے کہ نغمہ خواہ دہن و زبان، یا ہاتھ
پیر سے یا مشین سے پیدا کیا جائے بہرصورت جنبش ہی سے پیدا ہوتا ہے)
مضطر = بے چین، تڑپتا ہوا۔ گل برگ = پھول کی پنکھڑی۔
بُرّش = کاٹ یعنی کاٹنے کی خاصیت۔ خنجر = بڑا چاقو جو
قتل کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔

رواں مطلب: خوشی غم سے اس طرح آلودہ ہے کہ گانے کے بول بھی تڑپتے ہوئے
دل کی حرکت جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اور (کہا جا سکتا ہے کہ) پھول کی
پنکھڑی میں بھی خنجر کی سی تیز دھار موجود ہے۔

(۳)

یارانِ سرفروش و نگارانِ مہ جبیں ‌ ‌ ‌ آبِ نشاط و لعلِ لب و زلفِ عنبریں
کوئے مُغاں و بوئے گل و روئے دلنشیں ‌ ‌ ‌ زور و زن و ذکاوت و ذہن و زر و زمیں

جو شئے بھی ہے وہ درد کا پہلو لئے ہوئے
ہر گوہر نشاط ہے آنسو لئے ہوئے

اس بند کے تینوں شعر ملاکر ایک جملہ بنتا ہے اس لئے پورے بند کا مطلب اکٹھا بیان ہوگا - ایسے جملہ کو اردو قواعد (یعنی گرامر) میں جملۂ اسمیہ (یا خبریہ) کہتے ہیں - ایسے جملہ میں ایک جز مبتدا اور دوسرا جز خبر ہوتا ہے یہاں پہلے دو شعروں میں مبتداؤں کا ذکر ہے - تیسرے شعر میں مبتداؤں کو سمیٹ کر ان کی خبر بیان کی گئی ہے۔

پہلا شعر: شرح الفاظ :- یاراں = یار کی جمع فارسی قاعدے سے - یعنی دوست - سرفروش = سر بیچنے والے یعنی جان فدا کر دینے والے - یارانِ سرفروش یعنی ایسے دوست جو دوست کی خاطر جان دینے کو تیار ہوں۔

نگاراں = نگار کی جمع فارسی قاعدے سے یعنی معشوق - مہ جبین = چاند ایسی (نورانی) پیشانی والے یعنی حسین خوش رو افراد - آبِ نشاط = سرور بخشنے والا پانی - یعنی شراب - لعل = سرخ رنگ کا مشہور قیمتی پتھر - لب = ہونٹ لعلِ لب = ہونٹوں کی لعل کی جیسی سرخی - مراد سرخ یعنی حسینوں کے ہونٹ - زلفِ عنبریں = عنبر ایسی خوشبو والے بال -

دوسرا شعر: شرح الفاظ : کوئے مغاں = مراد شراب پینے کا مقام - بوئے گل = پھول کی خوشبو - رخ ئے دلنشیں = خوبصورت چہرہ - زور = طاقت - مراد اقتدار - زن = عورت - ذکاوت = عقل

فہم۔ ذہن = دماغ مراد عالی دماغ۔ زر = سونا مراد دولت۔

زمین = جائیداد۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ:۔ گوہرِ نشاط = مسرّت کا موتی۔ یہ اضافت تشبیہی ہے۔ مسرّت کو موتی سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ جس طرح موتی انسان کو محبوب ہوتا ہے اسی طرح مسرّت بھی انسان کی خواہش کا مرکز ہے۔

ہندکا رواں مطلب: اس دنیا میں مسرت بخشنے والی چیزیں ہیں جنکی لوگ خواہش کرتے ہیں خواہ وہ جان نثار کرنے والے دوست ہوں، عاشق ہوں، نورانی پیشانی اور خوشبودار زلفوں والی معشوقائیں ہوں، پسندیدہ شراب ہو، خوش شکل احباب ہوں، اقتدار ہو، عورتیں ہوں، شہرت دینے والی عقل و دانش ہو، دولت ہو، جائیداد ہو، ہر شئے میں غم کی آمیزش ضرور ہوتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ خوشی کا ہر موتی رنج کا آنسو ہوتا ہے۔

یہاں مسرّت اور خوشی کے لئے گوہر یعنی موتی اور رنج و غم کے لئے آنسو کے لفظوں کا انتخاب قابلِ داد ہے کیونکہ آنسو ٹپکنے سے پہلے شکل میں موتی کے مثل ہوتا ہے اور موتی ہی کے مانند آبدار یعنی چمکیلا ہوتا ہے۔

اس شعر کے دوسرے مصرع میں چھ لفظ یعنی زور۔ زن۔ ذکاوت۔ ذہن۔ زر۔ زمین ایک دوسرے سے حرف "واو" کے ذریعہ مربوط ہیں اور سب ہم آواز ہیں۔ اس طرح کئی کئی ہم آواز لفظوں کو ایک ہی رو میں استعمال کرنا عموماً محاسنِ کلام میں شمار ہوتا ہے یا تھا۔ ایک زمانہ میں اُردو بولنے والے خاندانوں میں بچے ادبی کھیل کے طور پر ایسے جملے جن میں کئی کئی ہم آواز لفظ آئے ہوں بنا بنا کر کھیلا کرتے تھے۔ مثلاً چاندنی رات میں چار چور چھپے کر

خدرلیے چھت پر چڑھ آئے۔ یا چھوٹے چچا اور چچی چارپائی پر بیٹھے چنے چبا رہے ہیں۔

بیگانۂ حدود ہے انساں کی آرزو
پیچیدہ ہر نظر میں ہے اک تازہ جستجو
تھمتی نہیں کہیں بھی تمنائے برق خو (۴)
ساقی کا وہ کرم ہے کہ بھرتا نہیں سبو
ارماں کی شاہراہ میں، منزل نہیں کوئی
اس بحرِ بے کنار کا ساحل نہیں کوئی

پہلا شعر: **شرحِ الفاظ:**۔ بیگانۂ = ناواقف۔ حدود = جمع حد کی معنی انتہا۔ اختتام۔
بیگانۂ حدود = بے حد و انتہا۔ آرزو = خواہش۔ پیچیدہ = لپٹی ہوئی۔
جستجو = تلاش۔ مراد خواہش۔ طلب = آرزو، خواہش

رواں مطلب: انسان کی خواہشات کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہر نظر میں ایک نئی خواہش لپٹی ہوتی ہے۔

دوسرا شعر: **شرحِ الفاظ:**۔ تھمنا = رکنا۔ تمنّا = خواہش۔ برق = بجلی۔ خو = عادت
خاصیت۔ برق خو = بجلی کی سی خاصیت والی۔ تمنائے برق خو = بجلی
کی سی خاصیت والی خواہش۔ گویا حد درجہ تیزی سے بڑھنے والی۔
ساقی = پلانے والا۔ سبو = صراحی یا گھڑا، یا شراب
رکھنے کا بڑا برتن۔ بھرتا نہیں سبو = خواہشات پوری نہیں ہوتیں

رواں مطلب: اس شعر کے پہلے مصرع کا مطلب خاصا صاف ہے یعنی یہ کہ انسان کی خواہشات بجلی کی سی تیزی کے ساتھ بڑھتی رہتی ہیں۔ دوسرا مصرع البتہ ذو معنی سا ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس مصرع میں پہلے مصرع میں خواہشات کے بڑھتے رہنے کی بیان کی ہوئی کیفیت

کی مثال دی ہے کہ خواہشات کے بڑھتے رہنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مئے خانہ میں پینے والوں کو ساقی کتنا ہی شراب پلاتا رہے لیکن ان کی مئے خواری کی پیاس کبھی نہیں بھرتی۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ شاعر نے ساقی سے اللہ کو مراد لیا ہے اور طنزاً کہا ہے (کیونکہ شاعر اللہ پر طعن کرنے سے نہیں چوکتے) کہ اللہ کا یہ بھی کرم ہے کہ اس نے انسان کی خلقت ایسی قائم کی ہے کہ اس کی خواہشات کا سبو کبھی نہیں بھرتا۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ ارمان = تمنا، خواہش۔ شاہراہ = راستہ۔ منزل = سفر کے دوران رکنے کی جگہ۔ بحر = سمندر۔ کنار = کنارہ، ساحل۔ بحرِ بے کنار = ایسا وسیع سمندر جس کا کنارہ ہی نہ ہو۔ (یعنی کم از کم دکھائی نہ دیتا ہو)۔ ساحل = سمندر کے کنارے پر زمین کا حصّہ۔

رواں مطلب:۔ تمنا ایسے راستہ کی مانند ہے جس کے دوران رکنے کی کوئی جگہ نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ تمنائیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

---

(۵)

اس لیلئ حیات کی اللہ ری دارو گیر — ہر لوچ، اک کمان ہے، ہر ناز، ایک تیر

اس کے کرم میں بھی وہ حرارت ہے ہم صفیر — جس کے مقابلے میں جہنّم ہے، زم ہریر

اُلجھے جو اس کے گیسوئے پیچاں کے جال میں

لگ جائے آگ، دامنِ قطبِ شمال میں

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ لیلیٰ = مراد معشوقہ۔ حیات = زندگی۔ لیلیٰ حیات = بہ اضافت

تشبیہی ہے یعنی حیات کو لیلیٰ ایسی مشہور معشوقہ سے تشبیہہ دی گئی ہے کیونکہ زندگی ہر فرد کو معشوقہ ایسی پیاری ہوتی ہے۔ اللہ ری (یا اللہ رے) = یہ الفاظ اظہار حیرت کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ دارو گیر = پکڑ دھکڑ یعنی گرفت۔ لوچ = لچک کمان = وہ لچکدار ہتھیار جس میں لگا کر تیر شکار پر چلایا جاتا ہے۔ ناز = غرور کے انداز کی حرکت۔

رواں مطلب:۔ زندگی جس سے انسان معشوقہ کے مانند محبت کرتا ہے انسان کو حیرت ناک طریقہ پر اپنی گرفت میں رکھتی ہے۔ اس کی دلفریبیاں انسان کو اس طرح گرفتار کر لیتی ہیں جس طرح معشوقہ اپنی اداؤں اور ناز نخروں سے عاشق کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ گویا زندگی کی ہر دلکشی کمان اور تیر کے مانند ہے جس سے وہ انسان کو مار گراتی ہے

دوسرا شعر: شرح الفاظ:۔ کرم = بخشش، مہربانی۔ حرارت = گرمی یہاں تکلیف مراد ہے۔ ہمصفیر = ساتھی۔ (شاعر کوئی بات کہنے کے لئے اپنے سننے (یا پڑھنے) والوں کو ہمصفیر کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ جہنم = دوزخ یعنی وہ مقام جہاں اسلامی عقیدہ کے مطابق اس دنیا کی زندگی میں برے اعمال کرنے والوں کو آخرت میں شدید آگ میں جلنے کی سزا دی جائیگی زمہریر = نہایت شدید سردی کا علاقہ یعنی قطب شمالی کے اردگرد کا خطہ۔

رواں مطلب:۔ زندگی کی مہربانیوں میں بھی ایسی شدید تکلیفیں ہوتی ہیں کہ اگر تکلیف کو گرمی کہا جائے تو ان میں ایسی شدید گرمی ہوگی جس کے مقابلہ میں

جہنّم کی آگ کی گرمی بھی کرۂ زمہریر کی مانند سرد محسوس ہو۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :۔ گیسوئے پیچاں = سر کے بَل کھائے ہوئے بال۔ اس مرکب میں صنعت استعارہ استعمال ہوئی ہے۔ یعنی "اس" کے گیسوئے پیچاں کہہ کر زندگی کو انسان کا ذکر کئے بغیر انسان سے تشبیہہ دی گئی ہے

قطبِ شمال = زمین کا انتہائی شمالی علاقہ جو انتہائی سرد ہے۔

"دامنِ قطبِ شمال" میں بھی صنعتِ استعارہ ہے۔ کیونکہ یہاں بھی صرف انسان کے دامن کا ذکر کرکے لیکن انسان کا ذکر کئے بغیر قطب شمال کو انسان سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

رواں مطلب :۔ اس شعر میں بھی اس سے ماقبل شعر کی مانند زندگی کی تکلیفوں کو گرمی نیچے کا تصوّر جاری ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی کی تکلیفوں میں مبتلا ہو جائے تو گویا وہ ایسی گرمی سے دوچار ہو گا جس سے قطب شمال ایسے سرد ترین علاقہ میں بھی آگ لگ جائے۔

امراض سے کسی کا بڑھاپا ہے اک وبال — آلام سے کسی کی جوانی ہے پائمال

(۶)

اِسکو ہے خوفِ ننگ، اُسے نام کا خیال — روزی سے کوئی تنگ، کوئی عشق سے نڈھال

ہر سانس ہے نوید، عذابِ عظیم کی
گھبرا کے دو دُہائی "خدائے رحیم" کی

پہلا شعر: شرح الفاظ :۔ امراض = مرض کی جمع معنی بیماری۔ آلام = اَلَم کی جمع معنی رنج تکلیف۔ پائمال = پیروں کے نیچے روندا ہوا

رواں مطلب :۔ اب شاعر زندگی میں لاحق ہونے والی چند مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ کہیں تو بوڑھوں کی زندگی قسم قسم کی بیماریوں کی وجہ سے وبال بنی ہوئی ہے۔ کہیں جوانوں کو طرح طرح کی فکریں اور پریشانیاں ستاتی رہتی ہیں

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ ننگ = شرم، بدنامی۔ نام = یہاں مراد نام آوری، شہرت۔ روزی = رزق تنگ = پریشاں۔

رواں مطلب :۔ بعض افراد کو حالات کے باعث (جن میں وہ گھرے ہوئے ہوں) بدنامی کا ڈر لگا ہوا ہے۔ دوسرے ہیں جو شہرت حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔ کوئی رزق کی تنگی سے پریشان ہے اور کوئی عشق کا مارا ہوا ہے۔

اس خوں چکاں حیات کے آلام، کیا کہوں — قدرت نہیں فسانۂ ایام کیا کہوں

(۷)

دارائے کائنات کے انعام کیا کہوں — یہ داستانِ مرحمتِ عام کیا کہوں

کہدوں، تو دل سے خون کا چشمہ اُبل پڑے

اور چپ رہوں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

پہلا شعر: شرح الفاظ:۔ خوں چکاں = خون نکال دینے والی۔ حیات = زندگی

آلام = جمع الم کی معنی رنج، تکلیف۔ کیا کہوں = مراد یہ کہ کہنے کے قابل نہیں

قدرت = طاقت۔ فسانہ = قصہ۔ ایام = جمع یوم کی معنی دن۔

فسانہ ایام = مراد زندگی کے حالات یا قصے۔

رواں مطلب :۔ رنج و غم سے بھری ہوئی زندگی کے حالات بیان کرنے کے قابل نہیں ہیں اور نہ میں ان حالات کو بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہوں

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ :- دارائے کائنات = دنیا کا مالک و مختار یعنی اللہ۔ انعام = مراد نعمتیں۔ مرحمتِ عام = اللہ کی رحمت جو ساری کائنات پر پھیلی ہوئی ہے۔

یہ شعر اگلے یعنی تیسرے شعر سے مربوط ہے اس لئے دونوں شعروں کا مطلب ایک ساتھ بیان ہوگا۔

تیسرا شعر :- شرحِ الفاظ :- دل سے خون اُبل پڑنا اور کلیجہ منھ سے نکل پڑنا = یہ دونوں فقرے محاورے کے طور پر سخت صدمہ اور رنج پہونچنے پر بولے جاتے ہیں

رواں مطلب (دوسرے اور تیسرے شعروں کا ملاکر) : شاعر اپنے ذہن میں یہ مقصود رکھ کر کہ اللہ اپنے بندوں کو نعمتیں عطا کرنے اور اپنی عام رحمت سے کل مخلوق کی پرورش کرنے کے لئے مشہور معروف ہے طعنہ کے طور پر کہتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں اور رحمتِ عامہ کے باوصف میں ایسی تکلیفوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوں کہ اگر ان کو بیان کردوں تو (میرے چوٹ کھائے ہوئے دل سے) خون اُبل پڑے اور اگر بیان نہ کروں تو ضبط نہ ہوسکنے کے باعث (محاورے کے مطابق) کلیجہ منھ سے نکل پڑے۔

بادی النظر میں اللہ کی شان میں شاعر کے یہ طعن آمیز فقرے قابلِ اعتراض معلوم ہوتے ہیں لیکن یہاں ہم اپنی کتاب "ہمارے بھیّا" میں شامل ایک مضمون بہ عنوان "جوش کے نقادوں سے دو دو باتیں" سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں جو ہمارے بھائی حسن شاہ پھلالی (مرحوم) کے الفاظ میں ہے یعنی :-

"شاعر اور عظیم شاعر عشق کی گہرائیوں میں ہوتا ہے جہاں وہ خالقِ یکتا سے ایسی ہی گستاخی کرتا ہے جیسے بچہ اپنے ماں باپ کے سامنے۔ لیکن بالک ہٹ یا بچہ کا

اپنے ماں باپ کا کہنا نہ ماننا اس بات کی دلیل نہیں کہ بچہ اپنے ماں باپ کے وجود یا ان کے مرتبہ کی بزرگی کا منکر ہے۔ وہ ہٹ اور ضد ایک نازِ محبت ہے۔ غالب نے جب کہا تھا کہ ع۔

ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے[۱]

تو یہ حُسنِ طلب ہے۔ یہ بھی مانگنے کا انداز ہے۔ اس سے خدا کی شانِ رزاقی کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔"

جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہے حسن شاہ جلالی نے یہ وضاحت جوش ملیح آبادی ہی کے متعلق ایک اور سلسلہ میں کی تھی۔ لیکن اسی سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زیرِ گفتگو دو شعروں میں جوش نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عزت میں زیرِ نظر طرزِ ادا کس لحاظ اور کس نیت سے کی ہے۔

غالب ہی کا ایک اور شعر ہے:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

یہاں عقیدہ کی رُو سے جنت کا انکار مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک نازدارانہ طرزِ ادا ہے۔

---

[۱] غالب کا پورا شعر یہ ہے:
زندگی اپنی جب اس حال سے گزری غالب = ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے۔

نوعِ بشر پہ ہے جو عقوبت، نہ پوچھیے — سفاک زندگی کی شقادت، نہ پوچھیے

جورِ حیات و جبرِ مشیّت، نہ پوچھیے — (۸) کتنا رقیق ہے دلِ قدرت، نہ پوچھیے

سو سال اگر خزاں کے، تو دو دن بہار کے

قربان ہجومِ رحمتِ پروردگار کے!

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- نوعِ بشر = کُل انسان۔ عقوبت = سزا۔ سفاک = لفظی معنی خون بہانے والی۔ مراد ظالم یعنی مصائب سے بھری ہوئی۔ نہ پوچھیے = مراد ناقابلِ بیان۔ شقادت = سنگدلی، ظلم

رواں مطلب: انسان پر جو مصیبتیں پڑتی ہیں اور زندگی کے دوران جو سختیاں اس کو سہنا پڑتی ہیں وہ ناقابلِ بیان ہیں۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- جور = ظلم، سختی۔ حیات = زندگی۔ جورِ حیات = زندگی جو شاعر کے تصور کے مطابق خود ہی ظلم ہے۔ جبر = زبردستی

مشیّت = اللہ کا ارادہ گویا تقاضائے فطرت۔ رقیق = نرم دل۔

قدرت = مراد صاحبِ قدرت یعنی اللہ۔ دلِ قدرت = اللہ کا دل

رواں مطلب: زندہ رہنے کا ظلم اور اور قدرت کی عائد کی ہوئی مصیبتیں ناقابلِ بیان ہیں۔ دوسرے مصرع میں شاعر طنزاً کہتا ہے کہ اللہ کتنا رحمدل ہے یہ بھی ناقابلِ بیان ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:- خزاں = سال کا وہ زمانہ جس میں درخت بے برگ و بار ہو جاتے ہیں۔ مراد تکلیفوں کا زمانہ۔ بہار = وہ موسم جس میں درختوں پر پھر سے برگ و بار نکل آتے ہیں۔ مراد آسائش کا زمانہ۔

قربان ہونا: کسی شئے یا فرد کو باقی رکھنے یعنی فنا ہونے سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو فنا ہو جانے دینا۔ یہ فقرہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شئے یا فرد کے لئے احترام، محبت یا پسندیدگی کا اظہار مقصود ہو۔

پروردگار = پالنے والا یعنی اللہ۔ گویا یہ عربی لفظ رب کا فارسی ترجمہ ہے۔ ہجوم = کثرت سے جمع یعنی اکٹھا ہونا

رواں مطلب: یہ شعر بھی طعنہ کے طور پر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں مصیبتوں اور آسائشوں کا تناسب اس طرح ہے کہ اگر سو دن مصیبتوں کے ہیں تو صرف دو دن آسائشوں کے۔ اسی لئے دوسرے مصرع میں شاعر گویا جل کر کہتا ہے کہ قدرت کی ایسی رحمت پر تو اپنی جان قربان کر دی جائے۔ یعنی دراصل یہ قابل قدر رحمت نہ ہوئی۔ شاعر کی قدرت (یعنی اللہ) پر اس قسم کی طعنہ زنی پر تبصرہ بندے کے تحت آچکا ہے۔ جس میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ ظاہری طعن آمیز جملے شاعر کی طرف سے بارگاہ الہیٰ میں ایک لحاظ سے اظہار ناز و محبت ہیں۔

(۹)

یوں تو غمِ معاش کا سوز نہاں ہے اور
تکلیفِ جاں گدازیٔ عشقِ تباں ہے اور

لب تشنگیٔ شیب فی عذابِ خزاں ہے اور
اعلانِ امرِ حق کی مگر داستاں ہے اور

"گفتارِ صدق، مایۂ آزار می شود
چوں حرفِ حق بلند شود، دار می شود" (صائب)

پہلا شعر: شرح الفاظ: معاش = روزی۔ سوز = تپش، جلن، تکلیف۔ نہاں = پوشیدہ، جو دکھائی نہ دے۔ اور = یہ حرف عطف

یعنی دو لفظوں کو ایک معنی میں ملانے والا "اور" نہیں بلکہ محاورہ میں "مختلف" کے معنی میں بولا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں "یہ اور ہے وہ اور ہے" یعنی یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جاں گدازی = جان کو تکلیف دینا۔ عشق = محبت بتاں = جمع بت کی فارسی طریقہ سے۔ معنی وہ مجسمہ جس کی پرستش یعنی پوجا یا عبادت کی جائے۔ اُردو (اور فارسی) ادب میں یہ لفظ معشوق کے لئے استعمال ہوتا ہے ظاہراً اس لئے کہ معشوق سے بھی پرستش ایسی محبت اور عقیدت کی جاتی ہے۔

پہلا شعر دوسرے شعر سے مربوط ہے اس لئے دونوں شعروں کا مطلب ملا کر بیان ہوگا۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: لبِ تشنگی = پیاس۔ شیب = بڑھاپا۔ عذابِ خزاں = درختوں کے بے برگ و بار ہونے یعنی اجڑنے (بلکہ کسی چیز کے بھی تباہ ہونے) کی تکلیف۔ اعلان = کھلے طور پر بیان کرنا۔ امرِ حق = سچی بات یا کسی معاملہ کی صحیح کیفیت۔ داستان = قصہ، بیان کئے جانے والے حالات۔

دونوں شعروں کا رواں مطلب: شاعر نے ان دو شعروں کے پہلے تین مصرعوں میں ایک ہی قسم اور وزن کی تکلیفوں کو بیان کرکے چوتھے مصرع میں ان تکلیفوں کے مقابلہ پر ایک مختلف قسم کی تکلیف بیان کی ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ روزی کمانے میں جو پوشیدہ مشقت ہوتی ہے یا کسی معشوق سے محبت کرنے میں جو کرب و اضطراب ہوتا ہے۔ یا بڑھاپے میں موسم خزاں میں درختوں کے بے برگ و بار ہونے کی سی جو کیفیت محسوس ہوتی ہے ان سب تکلیفوں کی نوعیت مختلف ہوتی ہے اور ان کے مقابلہ میں حق بات کو ظاہر بہ ظاہر بیان کر دینے کی کیفیت اور نتیجہ میں پیش

آنے والی مصیبت بالکل مختلف ہوتی ہے جس کی طرف تیسرے شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

تیسرا شعر: یہ پورا شعر معروف ایرانی شاعر صائب کا ہے جو ہمارے شاعر صاحب نے اپنے بند میں بعینہ جوڑ دیا یا جڑ دیا ہے۔ اس طرح اپنے شعر میں کسی دوسرے شاعر کے مصرع یا فقرے کو یا اپنے بند میں کسی دوسرے شاعر کے شعر کو جوڑ دینے کو تضمین کہتے ہیں۔ برمحل یعنی پُر معنی تضمین بھی ایک اچھا ادبی فن مانا جاتا ہے۔ ہمارے دوران زمانہ کے اردو کے مشہور شاعر سید محمد جعفری (متوفی سنہ ۱۹۷۶ء) برصغیر ہند و پاک میں تضمین کے فن میں (اور پُر ذوق مزاحیہ شاعری میں) نہایت باکمال مانے گئے ہیں۔ ان کا کلام "شوخیِ تحریر" کے عنوان سے شہر کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

صائب کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ سچی بات کہنا تکلیف کا باعث ہو جاتا ہے۔ بلکہ استعارۃً یوں کہا جائے کہ جب سچی بات اعلان کے ذریعہ بلند ہوتی ہے تو بولنے والے کے لئے دار یعنی پھانسی دینے والی سولی بن جاتی ہے یعنی اس کے لئے موت کا باعث ہو جاتی ہے۔ اس میں یہ ادبی بلکہ شاعرانہ لطافت ہے کہ آوازِ حق کا بلند ہونا ہی سولی بن جاتا ہے کیونکہ سولی اونچی ہوتی ہے جس پر پھانسی دی جاتی ہے۔

---

(۱۰)

ہاں، اس بلا سے کوئی بلا بھی بڑی نہیں
کیا اس کو علم، جس پہ یہ بپتا پڑی نہیں
کشتوں کی اسکے، لاش بھی اکثر گڑی نہیں
اعلانِ امرِ حق سے کوئی شے کڑی نہیں
بے جرم، خود کو جرم میں جو باندھ لے وہ آئے
اس راہ میں جو سر سے کفن باندھ لے وہ آئے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ اس بلا = مراد حق بات کہنے سے جو مصیبت پیش آئے۔ کیا اس کو علم = یہ سوالیہ فقرہ نہیں بلکہ سوال کے ذریعہ انکار مراد ہے یعنی اس کا علم ایسے شخص کو نہیں ہے۔ ایسے سوالیہ فقرے کو استفہام انکاریہ کہتے ہیں۔

بپتا = مصیبت۔

رواں مطلب:۔ حق کی بات (یا حق بات) کہہ دینے کی وجہ سے زیادہ بڑی مصیبت لانے والا کوئی اور امتحان نہیں ہوتا۔ یہ وہی جانتا ہے جس پر یہ مصیبت پڑی ہو کیونکہ اس کا علم ایسے شخص کو نہیں ہو سکتا جس پر حق بات کہنے کے نتیجہ میں مصیبت نہ پڑی ہو۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ کشتوں = جمع کشتہ کی ہندی طریقہ سے معنی قتل کیا ہوا فرد۔ یعنی لاشے۔ اس کے کشتوں = مراد حق بات کہنے والے کے ساتھیوں کے لاشے۔ یہ اشارہ ہے امام حسین علیہ السلام کی طرف کیونکہ روایت کے مطابق آپ کے اور آپ کے عزیزوں کے لاشے قتل کئے جانے کے تین دن بعد تک بغیر دفن کئے ہوئے پڑے رہے تھے۔ لاش = میت، مردہ جسم۔ گڑی نہیں = دفن نہیں کی گئی۔ امرِ حق = سچی بات۔ کڑی = سخت تکلیف دہ۔

رواں مطلب :۔ حق بات کہنے والے کے قتل کئے جانے والے ساتھیوں کی لاشیں بھی دفن کئے بغیر چھوڑ دی گئی تھیں جو اس معاشرے اور زمانہ کی تہذیب میں سخت بے حرمتی مانی جاتی تھی۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے کہ ایک تو قتل اس پر میت کے ساتھ بے حرمتی۔ یہ حق بات کہنے (اور اس پر قائم رہنے) کی سزا ہے جس سے بڑھ کر تکلیف دہ کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔

اس شعر کے پہلے مصرع میں کشتوں جمع کا لفظ ہے اس کے لئے لاش کا لفظ واحد اور فعل " گڑی نہیں " بھی واحد استعمال ہوا ہے جبکہ قواعد کے لحاظ سے یہ دونوں لفظ جمع یعنی "لاشیں" اور "گڑیں نہیں" ہونا چاہئیں تھے۔ دراصل شعری ضرورت سے وزن قائم رکھنے کے لئے اہل ادب نے اسقدر تصرف کو جائز مانا ہے۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ :۔ بے جرم = بے خطا۔ راندھنا = پھنسانا۔ سر سے کفن باندھنا = مرنے پر بخوشی تیار ہو جانا۔ اس راہ = مراد سچ (یعنی حق) بات کہنے کا راستہ۔

رواں مطلب :۔ حق بات کہنے والا بے جرم ہونے کے باوجود خطا کار مانا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ طریقہ صرف ایسے فرد کو اختیار کرنا چاہئے جو حق بات کہنے کی سزا میں مرنے کو تیار رہو۔

تکلیف رشد و کاہش تبلیغ، الاماں
یہ دائرہ ہے، دائرۂ مرگِ ناگہاں
پیہم یہاں سروں پہ کڑکتی ہیں بجلیاں
(۱۱)
بارِ الم سے بولنے لگتے ہیں استخواں
ہر گام پہ، حیات کے چہرے کو فق کرے
مرنا جو چاہتا ہو، وہ اعلانِ حق کرے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ رشد = ہدایت، صحیح راہ دکھانا۔ کاہش = محنت، مشقت۔ تبلیغ = احکام پہنچانا، مراد دوسروں کو نیکیوں سے آگاہ کرنا۔ دائرہ = گھیرا۔ مرگِ ناگہاں = یکایک واقع ہونے والی موت۔

رواں مطلب: کسی کو صحیح طرزِ عمل کی ہدایت کرنے اور نیکیوں سے آگاہ کرنے میں سخت مشقت کرنا پڑتی ہے۔ اس میدان میں داخل ہونا گویا فوری موت کا سامنا کرنا ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ پیہم = مسلسل۔ بجلیاں کڑکتی ہیں = مراد ہے مصیبتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ بار = وزن، بوجھ۔ الم = رنج، تکلیف۔ بارِ الم = بہ اضافت تشبیہی ہے۔ رنج و غم کی تکلیف کو وزن اٹھانے کی تکلیف سے تشبیہ دی گئی ہے۔ استخواں = ہڈی

رواں مطلب:۔ اس کام یعنی کسی کو حق بات بتانے میں (یا سمجھانے میں) ہر وقت آسمانی بجلیوں کی مانند سروں پر مصیبتیں منڈلاتی رہتی ہیں اور ایسی مشقتیں اٹھانا پڑتی ہیں کہ گویا بھاری وزن اٹھانے سے جسم کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :- گام = قدم ۔ حیات = زندگی ۔ فنا کرنا = بے جان کرنا۔

رواں مطلب :- اعلانِ حق ایسا کام ہے کہ اس میں ہر قدم پر انسان کو مرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے ۔

کیسے کوئی عزیز ، روایات چھوڑ دے
کچھ کھیل ہے کہ کہنہ حکایات چھوڑ دے
(۱۲)
گھٹی میں تھے جو حل، وہ خیالات چھوڑ دے
ماں کا مزاج، باپ کی عادات چھوڑ دے
کس جی سے کوئی رشتۂ اوہام توڑ دے
ورثے میں جو ملے ہیں وہ اصنام توڑ دے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ : کیسے چھوڑ دے = یہ استفہام انکاریہ ہے یعنی ساخت کے لحاظ سے سوالیہ جملہ ہے لیکن مقصود انکار کرنا ہے یعنی نہیں چھوڑ سکتا۔
عزیز = قابلِ عزّت بلکہ جو خود کو عزیز ہوں ۔ محبوب = محبت کی جانے والی چیز ۔ روایات = وہ طریقے جن پر پہلے سے عمل ہوتا آیا ہے ۔ کچھ کھیل ہے ؟ = یہ بھی استفہام انکاریہ ہے یعنی سوال کے طرز میں انکار بہ معنی کھیل نہیں ہے ۔ کھیل = بہ معنی معمولی بات ۔ کہنہ = پرانی ۔ حکایات = جمع حکایت کی ، معنی قصہ مراد ایسے تاریخی یا نیم تاریخی قصے جو ثقافت کا حصہ مانے جاتے ہیں۔

رواں مطلب :- کوئی شخص اپنے پرانے طریقۂ عمل نہیں چھوڑتا اس لئے کہ ان سے لگاؤ اور احترام پیدا ہو جاتا ہے ۔ اور یہ بھی بات ہے کہ

یہ کھیل کی مانند معمولی بات نہیں ہے کہ اپنے تاریخی پس منظر کو بھلا دیا جائے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ گھٹی میں حل ہونا = گھٹی میں گھلا ملا ہوا ہونا۔ گھٹی دوائی قسم کی چند جڑی بوٹیوں سے تیار کی ہوئی لطیف پینے کی چیز ہوتی تھی (بعض علاقوں میں اب بھی ہوتی ہوگی) جو بچے کو پیدائش کے فوری بعد کے زمانہ میں کچھ عرصہ تک پلائی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر بچہ کے نشوونما یعنی جسم و مزاج کے تربیت پانے پر ہوتا ہوگا۔ چنانچہ یہ بولنے کا محاورہ بن گیا کہ جو نمایاں خاصیت بچہ میں نظر آئی اس کے متعلق کہا جانے لگا کہ یہ گھٹی میں ملا کر پلائی گئی ہوگی آج کل مغربی تہذیب کے زیر اثر بیشتر گھرانوں میں، قدیم طرز کی گھٹی کے بجائے "ڈڈ وڈ" کا یا "ہمدرد" کا گرائپ واٹر استعمال ہونے لگا ہے مگر بول چال کے محاورہ میں گھٹی ہی کا لفظ رائج ہے۔

دوسرا مطلب:۔ اس شعر کے دونوں مصرعے بھی پہلے شعر میں آئے ہوئے لفظ "کیسے" کے زیر اثر ہیں۔ چنانچہ شاعر کا کہنا ہے کہ یہ مشکل ہے کہ کوئی شخص گھٹی کے اثر سے پیدا ہونے والے یا ماں باپ سے ورثہ میں ملے ہوئے خیالات و عادات ترک کر دے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ کس جی سے = کس دل سے۔ مراد کیسے۔ یہ استفہام انکاریہ ہے۔ گویا ایسا نہیں کر سکتا۔ اوہام = جمع وہم مراد بے بنیاد یا غلط خیالات۔ ورثہ = ماں باپ سے ملی ہوئی عادتیں۔ اصنام = جمع صنم کی یعنی بُت، جھوٹے خدا۔ مراد بے بنیاد تصورات و عقائد۔ اس شعر میں اوہام کو اصنام سے استعارہ کے طرز پر تشبیہہ دی گئی ہے اور

اُن کے لئے توڑنے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

رواں مطلب: کوئی فرد ایسا نہیں کر سکتا کہ ان غلط عقائد کو جو اسے اپنے بیشرووں سے ورثہ کے طور پر ملے ہیں اور جو اس کے لئے بتوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں اپنے ذہن سے نکال ڈالے۔

اوہام کا رباب، قدامت کا ارغنوں
فرسودگی کا سحر، روایات کا فسوں
اقوال کا مراق، حکایات کا جنوں (۱۳)
رسم و رواج و صحبت و میراث و نسل و خوں
افسوس یہ وہ حلقۂ دامِ خیال ہے
جس سے بڑے بڑوں کا نکلنا محال ہے

اس بند کے تینوں شعر مل کر ایک جملہ بنتے ہیں اس طرح کہ پہلے دو شعر مبتدا یعنی Subject اور تیسرا شعر خبر یعنی Predicate ہے۔ اس لئے تینوں شعروں کا مطلب ملا کر بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- اوہام = جمع وہم کی، معنی ذہن میں قائم بے بنیاد، غلط خیالات، عقائد یا تصورات وغیرہ۔ رباب = ایک قسم کا باجا۔ قدامت = پرانا پن۔ مراد پرانے طور طریقے، رواج وغیرہ۔ فرسودگی = قدامت، پرانا پن۔ مراد پرانے طور طریقے، رواج وغیرہ۔ سحر = جادو۔ روایات = جمع روایت کی معنی وہ طریقے جن پر پرانے زمانہ سے عمل ہوتا آیا ہے۔ فسوں = جادو۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- اقوال جمع قول کی معنی کہی ہوئی بات، مقولہ۔ مراق = صحیح راستہ سے ہٹا ہونا، کج روی۔ حکایات = مراد پرانی عقلاً نا قابلِ قبول حکایتیں۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :- حلقۂ دامِ خیال :- دام معنی جال جس سے پرندوں (مچھلیوں وغیرہ) کو پکڑا جاتا ہے۔ حلقۂ دام معنی جال کے وہ چھلے جن میں شکار پھنس جاتا ہے اور پکڑ لیا جاتا ہے۔ حلقۂ دامِ خیال اضافتِ تشبیہی ہے۔ خیال کو جال سے تشبیہہ دی گئی ہے یعنی جال کی مانند پھندے میں پھنسا لینے والے خیالات۔ محال یہ "مشکل" ناممکن

رواں مطلب :- ان تینوں شعروں میں " اوہام کا رباب"۔ " قدامت کا ارغنوں"۔ "فرسودگی کا سحر"۔ "روایات کا فسوں"۔ "اقوال کا مراق"۔ "حکایات کا جنوں"۔ "حلقۂ دامِ خیال" یہ سب مرکب تشبیہی اضافتیں ہیں یعنی وہم کو رباب سے قدامت کو ارغنوں سے۔ فرسودگی کو سحر سے۔ روایات کو فسوں سے۔ اقوال کو مراق سے۔ حکایات کو جنوں سے اور خیال کو حلقہ دام سے تشبیہہ دی گئی ہے

شاعر کہتا ہے کہ بے بنیاد اوہام، پرانے رسم و رواج، طور طریقے، قدیم روایتیں، پرانے لوگوں یعنی اسلاف کی کہی ہوئی باتیں اور تاریخی یا غیر تاریخی قصے کہانیاں وغیرہ سب انسان کے خیالات کو اسی طرح ماؤف کر دیتے ہیں جس طرح باجے، جادو وغیرہ انسان کی قوت فہم کو بیکار کر کے صحیح طریقے پر سوچنے اور سمجھنے کے ناقابل بنا دیتے ہیں۔ اور بڑے بڑے (یعنی عقل و دانش میں شہرت رکھنے والے) افراد بھی ان پھندوں سے باہر نہیں نکل پاتے۔

اس بزمِ ساحری میں، جہالت کا ذکر کیا
خود علم کے حواس بھی رہتے نہیں بجا
(۱۴)
اوہام، جب دلوں میں بجاتے ہیں دائرا
عقلوں کو سوجھتا ہی نہیں رقص کے سوا
تاریخ جھومتی ہے فسانوں کے غول میں
بوڑھے بھی ناچتے ہیں جوانوں کے غول میں

پہلا شعر، شرحِ الفاظ: بزمِ ساحری = جادو کی دنیا۔ اشارہ ہے عقل و فہم کو ماؤف اور متاثر کر دینے والی وہ سب چیزیں جن کا ذکر اس سے پہلے بند میں آیا ہے
جہالت = بے علم ہونا۔ ذکر کیا۔ یہ سوالیہ فقرہ نہیں بلکہ محاورہ ہے یہ اپنی معنی کہ زیرِ اشارہ چیز کا ذکر کرنا غیر ضروری یا غیر اہم یا بیکار ہے۔
حواس = جمع حاسہ کی، معنی انسان کی وہ فطری قوتیں جن کے ذریعہ وہ چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے۔ ادب میں حواس پانچ مانے جاتے ہیں یعنی باصرہ (دیکھنے کی قوت)۔ سامعہ (سننے کی قوت)۔ لامسہ (چھونے کی قوت)۔ شامہ (سونگھنے کی قوت)۔ اور ذائقہ (چکھنے کی قوت) ان کو مجموعی طور پر حواس خمسہ کہتے ہیں۔ بجا رہنا = اپنی جگہ یعنی صحیح حالت پر رہنا۔

مطلب: ۔ ایسے ماحول میں جہاں انسان کی قوّتِ فہم و ادراک اس طرح سے ماؤف و بیکار ہو جائے جیسے جادو کے اثر سے ہو جاتی ہے تو جاہل شخص کی حالت کا ذکر کرنا تو بیکار ہے عالم بھی اپنے حواس میں نہیں رہتا۔

دوسرا شعر: شرح الفاظ:۔ دائرہ = ایک قسم کا باجا۔ رقص = ناچنا، مراد پریشانی میں

چکر لگاتے رہنا یا گھومتے رہنا۔

رواں مطلب :۔ جب دلوں یعنی ذہنوں پر اوہام یعنی بے اصل اور فرضی خیالات قابض ہو جائیں تو عقول بھی چکر میں آجاتی اور صحیح طریقہ پر سوچنا بھول جاتی یا چھوڑ دیتی ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: غول = گروہ

رواں مطلب: ایسی حالت میں جس کا ذکر اس شعر سے پہلے شعر میں کیا گیا تاریخ بھی جو عام طور پر صحیح واقعات بیان کرتی ہے بگڑ جاتی ہے اور غلط قصّوں میں خلط ملط ہو جاتی ہے۔ اور تجربہ کار افراد نا تجربہ کاروں کے ساتھ مل کر بیکار باتیں یعنی انہی کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

جس دائرے میں قصرِ قدامت کا ہو طواف
جدّت کے "جرم" کو کوئی کرتا نہ ہو معاف

(۱۵)

بگڑے ہوئے رسوم کا ذہنوں پہ ہو غلاف
آواز کون اٹھائے وہاں جہل کے خلاف

آواز اٹھائے، موت کی جو آرزو کرے
ورنہ مجال ہے کہ یہاں گفتگو کرے

پہلا شعر: شرح الفاظ:۔ دائرہ = گھیرا۔ گھرا ہوا علاقہ۔ قصر = محل۔ کہنگی = پرانا پن مراد پرانے عقائد و خیالات۔ قصرِ قدامت = بہ اضافت تشبیہی ہے یعنی قدامت کو قصر سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ گویا پرانے طور طریقوں کو محل کہا گیا ہے۔ طواف = کسی مقام کے چاروں طرف احتراماً گھومنا۔ جدّت = نیاپن، مراد نئے طریقے۔ جُرم = خطا۔

رواں مطلب: یہ شعر دوسرے یعنی آگے آنے والے شعر سے اس طرح مربوط ہے کہ دونوں

کا مطلب ملا کر بیان کرنا ہو گا۔

دوسرا شعر: شرح الفاظ: رسوم = جمع رسم کی یعنی رواج، طور طریقے۔ غلاف = ڈھکنے والی چیز۔ آواز اٹھانا = مخالفت کرنا۔ **آواز کون اٹھائے** = یہ استفہام انکاریہ ہے یعنی سوال کے بجائے یہ کہنا ہے کہ کوئی آواز نہیں اٹھا سکتا یعنی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا

رواں مطلب (دو شعروں کا): جہاں کہیں پرانے رواج اور طور طریقوں پر اس طرح قائم رہا جائے جس طرح کسی مقدس مقام (مثلاً خانۂ کعبہ) کا احترام طواف کیا جاتا ہے اور نئے طریقے اختیار کرنے کو ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا ہو گویا پرانے رسوم ذہنوں پر غلاف کی مانند چڑھے ہوئے ہوں تو اس جہالت کی مخالفت یا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ:- **آرزو** = خواہش، تمنا۔ **مجال** = لفظی معنی دوڑنے کی حد۔ مراد ہمت۔ **ورنہ مجال ہے؟** = یہ استفہام انکاریہ ہے گو کہ لفظ استفہام محذوف یعنی پوشیدہ ہے۔ گویا یہ فقرہ "کیا مجال ہے" بمعنی ہرگز مجال نہیں ہے **گفتگو کرنا** = بحث کرنا۔ مراد مخالفت کرنا۔

رواں مطلب:- اس شعر میں پہلے دو شعروں میں بیان کئے ہوئے مفہوم کو آگے بڑھا کر کہا گیا ہے کہ ایسی مخالفت وہی کر سکتا ہے جو موت کی تمنا کرے گویا موت کے لئے تیار ہو۔ ورنہ ایسی صورت میں دخل دینا محال ہے۔

ہوتا ہے جو سماج میں جویائے انقلاب ملتا ہے اُسکو مرتد و زندیق کا خطاب
پہلے تو اسکو آنکھ دکھاتے ہیں شیخ و شاب (۱۶) اس پر بھی وہ نہ چپ ہو تو پھر قوم کا عتاب

بڑھتا ہے ظلم و جور کے تیور لئے ہوئے
تشنیع و طعن و دشنہ و خنجر لئے ہوئے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ سماج = معاشرہ کسی ایک مقام پر بسنے والا گروہ۔ جویا = ڈھونڈنے والا، خواہشمند۔ اس لفظ میں "ئے" اضافت کے لئے ہے۔ انقلاب = تبدیلی

مرتد = دین سے بے دینی کی طرف پلٹ جانے والا۔ زندیق = بے دین

خطاب = وہ توصیفی لفظ جس سے کسی فرد کو مخصوص کیا جائے۔ یہاں مراد الزام لگانا

رواں مطلب:۔ شاعر کی رائے میں اگر کوئی شخص معاشرے میں مروجہ طور طریقوں میں کوئی تبدیلی لانے کی کوشش کرتا ہے تو لوگ اسکو دین سے پھرا ہوا یعنی بے دین اور کافر کہنے لگتے ہیں۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ آنکھ دکھانا = غصہ کا اظہار آنکھوں کی حرکت کے ذریعہ۔ شیخ = بوڑھے لوگ۔ شاب = جوان افراد۔ عتاب = غصہ۔

اس شعر کا مطلب اگلے شعر سے مل کر پورا ہوگا۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ جور = ظلم، سختی۔ تیور = انداز، طریقے۔ تشنیع = برا کہنا

طعن = سخت اور ذہنی تکلیف پہونچانے والے الفاظ کہنا۔ دشنہ و خنجر = یہ دونوں چھری کے مانند قتل کرنے کے ہتھیار ہوتے ہیں۔ ان کو بغیر دیکھے پہچاننا مشکل ہے جس طرح کٹورے، بادیے اور پیالے میں بغیر دیکھے فرق سمجھنا مشکل ہے۔

رواں مطلب:۔ ایسے شخص پر (یعنی جو معاشرے میں انقلاب کی تحریک کرے) ابتدا میں قوم والے

غصہ دکھاتے ہیں اور اگر وہ اپنے ارادوں سے باز نہ آئے تو وہ غصہ اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ قوم والے اسکو سخت و سست کہتے ہیں۔ اس پر ظلم و تشدد کرتے ہیں اور بالآخر اس کو قتل کرنے کے درپئے ہو جاتے ہیں۔

(۱۷)

اٹھتا ہے غلغلہ کہ یہ زندیقِ نامراد ‏ ‏ کج فکر و کج نگاہ و کج اخلاق و کج نہاد

پھیلا رہا ہے عالمِ اخلاق میں فساد ‏ ‏ اے صاحبانِ جذبۂ دیرینۂ جہاد

ہاں جلد اٹھو، تباہیٔ باطل کے واسطے

جنت ہے ایسے شخص کے قاتل کے واسطے

اس بند کے تینوں شعروں کا مطلب ایک ساتھ ہی پورا ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: غلغلہ = عوامی شور۔ کج فکر = ٹیڑھے طریقہ پر سوچنے والا۔ کج نگاہ = ٹیڑھی یعنی غیر مناسب نظر سے دیکھنے والا۔ کج اخلاق = ٹیڑھی یعنی ناپسندیدہ عادتوں والا۔ کج نہاد = ٹیڑھی یعنی بدفطرت والا

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: عالم = دنیا۔ اخلاق = جمع خلق کی، معنی عادتیں۔ عالمِ اخلاق = عادتوں کی دنیا۔ یہ اضافت تشبیہی ہے، اخلاق (یعنی عادتوں) کو عالم (یعنی دنیا) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ صاحبان = جمع صاحب کی فارسی طریقہ سے۔ جذبہ = طبیعت کا فطری خاصہ۔ دیرینہ = قدیم، پرانا۔ جہاد = لفظی معنی کوشش کرنا، اصطلاحی معنی مذہبی جنگ کرنا۔ ادبی معنی کسی پاکیزہ مقصد کے لئے ایسی کوشش کرنا جیسی مذہب کے حق میں جنگ کی جاتی ہے۔

صاحبانِ جذبۂ دیرینۂ جہاد = وہ افراد جو کسی مقصد کے لئے ایسی سخت کوشش کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں جیسے ابتداء اسلام کے زمانہ میں لوگ رکھتے تھے۔

بند کا رواں مطلب:- شاعر کہتا ہے کہ ایسے شخص کے (یعنی جو معاشرے میں انقلاب کا خواہاں ہو) خلاف یہ شور اٹھایا جائے گا کہ یہ شخص غلط طریقہ پر سوچ رہا ہے اس کی نظر بھی غلط ہے، عادتیں بھی فسادی ہیں بلکہ اسکی فطری ڈھال اور بناوٹ ہی غلط ہے۔ یہ تو سارے افراد کے اخلاق کو بگاڑے ڈال رہا ہے پس ان لوگوں کو جو قدیم قسم کا مذہبی جہاد کا ساجذبہ رکھتے ہیں چاہیئے کہ اس شخص کو تباہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ ایسے تباہ کار شخص کو قتل کرنے سے ثواب میں جنت ملے گی۔

رعب و شکوہ وجاہ وجلالت کا سامنا — اور بالخصوص جب ہو حکومت کا سامنا

(۱۸)

قرنا و طبل و ناوک و درایت کا سامنا — شاہان کج کلاہ کی ہیبت کا سامنا

لاکھوں میں ہے وہ ایک، کروڑوں میں فرد ہے

اس وقت جو ثبات دکھائے وہ مرد ہے

اس بند کے تینوں شعروں کا مطلب ایک ساتھ بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- سامنا ہونا = مقابلہ ہونا۔ رعب = دبدبہ، قوت کا ظاہری اظہار اور دباؤ۔ شکوہ وجلال وجلالت = ان تینوں لفظوں کے معنی یکساں ہیں یعنی مرتبہ کی بڑائی، بزرگی شان و شوکت وغیرہ

دوسرا شعر:- شرحِ الفاظ:- شاہاں = جمع شاہ کی فارسی طریقہ سے معنی بادشاہ۔ کج کلاہ = لفظی معنی ٹیڑھی ٹوپی پہننے والا۔ پچھلے زمانہ میں مشرقی علاقوں میں جب بادشاہ اور مقامی (یا علاقائی) سردار وغیرہ ہوا کرتے تھے سر پر ٹیڑھے رُخ یعنی سے ٹوپی پہننا اظہار فخر و عظمت

کا ایک طریقہ تھا۔ پس کج کلاہ، کے معنی عظمت والا۔ ہیبت = خوف دبدبہ۔ قرنا وطبل = باجے ہیں (یا ایک زمانہ میں ہوتے تھے)۔

ناوک = تیر۔ رایت = جھنڈا۔ قرنا وطبل و ناوک و رایت سب فوج کے ساز و سامان میں شامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ مراد فوجی طاقت۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ:۔ فرد = ایک شخص، مراد مثالی آدمی۔ ثبات = ثابت قدمی یعنی جنگ کے دوران دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے رہنا۔ مرد = مراد بہادر شخص۔

رواں مطلب (پورے بند کا): اور اگر انقلاب لانے والے شخص کا مقابلہ شاہی دبدبہ، شان و شوکت اور فوج سے ہو تو ایسے حالات میں جو شخص اپنے مدِّ مقابل کے سامنے ڈٹا رہے وہی یقینا مثالی بہادر ہوگا اور ایسا شخص یقیناً لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک ہی ہوگا۔

---

(۱۹)

اور بالخصوص بند ہو جب ہر درِ نجات
حق تشنہ لب ہو دشت میں باطل لبِ فرات
دستِ اجل میں ہو زن و فرزند تک کی ذات
حائل ہو مرگِ زیست میں، لے دیکے ایک رات
یہ وہ گھڑی ہے کانپ اٹھے شیرِ نر کا دل
اس تہلکے کو چاہیئے فوق البشر کا دِل

اس بند میں تینوں شعر ملا کر ایک جملہ بنتا ہے اس طرح کہ پہلے دو شعروں میں ایک وقت کی حالت بیان کی گئی ہے اور تیسرے شعر میں اسکے متعلق خبر پیش کی گئی ہے۔ اس لئے پورے بند کا مطلب ایک ساتھ بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: حق مراد حق کے طرفدار یعنی عقیدے کے مطابق امام حسینؑ اور آپ کے ساتھ والے۔ تشنہ لب = پیاسے۔ باطل = مراد باطل کے طرفدار۔ لب = کنارے پر۔ فرات = عراق کا مشہور دریا۔ لبِ فرات = فرات کے کنارے جس پر قابض ہونے کی وجہ سے باطل والے یعنی امام حسینؑ کے مخالف ہمیشہ پانی سے سیراب رہتے تھے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ دستِ اجل = موت کا ہاتھ۔ یہ تشبیہ استعارہ ہے یعنی انسان کا ذکر کئے بغیر موت کو انسان سے تشبیہ دے کر اس کے ہاتھ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حائل = درمیان میں واقع ہونا۔ زن = بیوی۔ مرگ = موت۔ زیست = زندگی۔ لے دے کے = یہ محاورہ ہے یعنی تمام متعلقہ حالات کو زیرِ نظر رکھ کر۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ شیرِ نر = شیر معروف جانور جو بہادری میں مشہور ہے مادہ کے مقابلہ میں نر اور بھی زیادہ زور آور مانا جاتا ہے۔ تہلکہ = ہلاکت خیز موقع یعنی ایسا موقع ہونے کے باعث موت واقع ہو جائے۔ تہلکہ کو = یعنی تہلکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے۔ فوق البشر = عام آدمی سے بلند تر خصوصیات والا شخص۔

بند کا رواں مطلب:۔ اس سے پہلے گزرے ہوئے بند کے بیان کو آگے بڑھا کر شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ نکلنے کا ہر راستہ بند ہو۔ حق کے طرفدار پیاسے ہوں جبکہ مقابلہ پر باطل کے طرفدار دریا کے کنارے سیراب ہوں۔ حق والوں کی عورتوں اور بچوں کو بھی موت کا سامنا ہو اور

وقت بھی اتنا تنگ ہو کہ زندگی اور موت کے درمیان صرف ایک رات ہو تو یہ ایسا موقع ہے کہ بہادر سے بہادر شخص کا دل خوف سے کانپ جائے کیونکہ ہلاکت خیز موقع کا مقابلہ وہی کر سکتا ہے جو عام انسانوں سے بلند تر خصوصیات رکھتا ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں سے شاعر نے امام حسینؑ کی طرف واضح اشارے کئے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ بند شرطیہ نہیں بلکہ ان واضح اشاروں کی روشنی میں بیانیہ مانا جانا چاہئے کیونکہ امام علیہ السلام اور آپ کے معدودے چند ساتھیوں کا حق کی حفاظت کی خاطر مخالف دشمن کی کثیر التعداد فوج سے مقابلہ تھا۔ جبکہ امامؑ کو دریا سے پانی لینے سے روک دیا گیا تھا اور اسی لئے امامؑ اور آپؑ کے ساتھ والے پیاسے تھے۔ حالانکہ مخالف فوج دریا پر قابض اور اچھی طرح سیراب تھی۔ امامؑ کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اور اب معرکۂ کارزار یعنی جنگ شروع ہونے میں صرف ایک رات باقی تھی جو تاریخ میں شبِ عاشور کے نام سے معروف ہے۔

---

(۲۰)

وہ کربلا کی رات، وہ ظلمت ڈراؤنی
وہ مرگِ بے پناہ کے سائے میں زندگی
خیموں کے گرد و پیش وہ پُر ہول خامشی
خاموشیوں میں دُور سے وہ چاپ موت کی
تھی پشتِ وقت بارِ اَلم سے جُھکی ہوئی
ارض و سما کی سانس تھی گویا رُکی ہوئی

پہلا شعر: مشروح الفاظ :- وہ کربلا کی رات = مراد شب عاشور۔ ظلمت ڈراؤنی = موت کی ہیبت خیمہ تاریکی۔ مرگِ بے پناہ = یقینی طور پر واقع ہونے والی

اس مقام پر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ عام جنگوں میں دونوں فریقوں میں سے کچھ افراد قتل ہو جاتے ہیں اور کچھ بچ جاتے ہیں اور ہر شریک ہونے والے کو یہ خیال رہتا ہے کہ ضروری نہیں کہ میں ہی (یا میں بھی) قتل ہو جاؤں گویا ہر ایک کو بچ جانے کی امید ہوتی ہے لیکن کربلا کی جنگ اس لحاظ سے عدیم المثال تھی کہ اس جنگ میں امام حسینؑ اور آپ کے رفقاء میں سے کسی فرد کو قتل سے بچ جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔ بلکہ قتل (یعنی عقیدہ کے لحاظ سے شہید) ہو جانا یقینی تھا۔ چنانچہ امامؑ نے جنگ کی اس نوعیت کو متعدد موقعوں پر خاص کر شب عاشور اپنے رفقاء کے سامنے تقریر میں صاف صاف الفاظ میں واضح فرما دیا تھا۔ اسی لئے شاعر نے "مرگِ بے پناہ" کا فقرہ استعمال کیا ہے۔

سائے میں زندگی = موت کے انتظار میں زندگی۔ یا جب زندگی پر موت منڈلا رہی ہو کہ اب آئی اور اب آئی۔

عنوان مطالب: - شبِ عاشور کے بعد آنے والی صبح کو امام حسینؑ اور آپکے اصحاب باوفا کے لئے شہادت یقینی تھی اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس لئے رات کو ظاہری لحاظ سے ڈراؤنی کہا ہے کیونکہ ہر ذی حیات کے لئے موت ڈراؤنی ہوتی ہے۔

دوسرا شعر: شرح الفاظ: - گرد و پیش = چاروں طرف۔ پر ہول = خوفناک

چاپ = چلنے کی آواز۔ چاپ موت کی = یہ تشبیہہ استعارہ ہے۔ موت کو انسان سے تشبیہہ دے کر آنے والی موت کو انسان کی مانند آتا ہوا بیان کیا گیا ہے۔

رواں مطلب: مطلب صاف ہے البتہ آتی ہوئی موت کی الفاظ میں تصویر قابلِ داد ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: پشتِ وقت = وقت کی کمر۔ یہ تشبیہہ استعارہ ہے۔ انسان کا ذکر کئے بغیر وقت کو انسان سے تشبیہہ دے کر اسکی کمر کا ذکر کیا ہے۔ اور اگلے مرکب یعنی "بارِ الم" بہ معنی مصیبتوں کے بوجھ سے کمر کا جھک جانا دکھایا ہے۔ ارض = زمین سما = آسمان۔ سانس کا رک جانا = زیادہ وزن اٹھانے سے انسان کا سانس رکنے لگنا۔ ہے شعر کے اس مصرع میں بھی تشبیہہ استعارہ استعمال ہوئی ہے۔ انسان کا ذکر کئے بغیر ارض و سما کے سانس کے رک جانے کا ذکر کیا گیا ہے

رواں مطلب: شاعر امام حسینؑ پر ہجوم مصائب کے حوالہ سے کہتا ہے کہ آپ پر اس درجہ مصائب تھے کہ اگر وقت کو انسان فرض کر لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی کمر اس بوجھ سے جھکی ہوئی تھی۔ اسی طرح اگر زمین و آسمان انسان ہوتے تو جس طرح بوجھ سے انسان کا سانس رکنے لگتا ہے اسی طرح زمین و آسمان کا سانس بھی رکنے لگا تھا۔

---

(۲۱)

وہ اہلِ حق کی تشنہ دہاں، مختصر سپاہ — باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
وہ ظلمتوں کے دام میں زہراؑ کے مہر و ماہ — تارے وہ فرطِ غم سے جھکائے ہوئے نگاہ

وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوائیں تھمی ہوئی
وہ اک بہن کی، بھائی پہ نظریں جمی ہوئی

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ اہلِ حق = مراد امام حسینؑ اور آپ کے رفقاء۔ تشنہ دہاں = پیاسے

سپاہ = فوج۔ باطل = مراد اہلِ باطل یعنی امامؑ کے مخالف۔ ہجوم = کثرت
اللہ کی پناہ = یہ مصیبت کے وقت اللہ سے پناہ مانگنے کا دعائیہ فقرہ ہے۔

رواں مطلب: اب شاعر شبِ عاشور کے متعلق کہتا ہے کہ اس شب امام حسینؑ اور آپ کے رفقاء کی مختصر پیاسی فوج تھی اور اس کے مقابل اہلِ باطل کی اس کثرت سے فوج تھی کہ بس اس کے تصور سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ ظلمت = اندھیرا۔ دام = شکار کرنے کا جال۔ زہراؑ = جناب فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ کا مشہور لقب۔ زہراؑ کے مہر و ماہ = مہر معنی آفتاب۔ ماہ معنی چاند۔ زہراؑ کے مہر و ماہ مراد امام حسینؑ اور اولاد کے دیگر افراد۔

رواں مطلب:۔ جناب فاطمہؑ کا پورا گھرانہ ظلم کے جال میں گھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے آسمان پر غم کے مارے ستارے بھی آنکھیں جھکائے ہوئے تھے۔ (یہ آخر شب کا منظر ہے جب ستارے ڈوبنے لگے تھے)۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ دل بجھا ہونا = غمگین ہونا۔ ہوائیں تھمنا = سناٹا ہونا۔ بہن = امام حسینؑ کی بہن جناب زینب بنت علیؑ و فاطمہؑ صلوٰۃ اللہ علیہما بھائی = مراد امام حسین علیہ السلام۔

رواں مطلب:۔ خاندانِ اہل بیتؑ کے تمام افراد کے دل غم میں ڈوبے ہوئے تھے اور ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جناب زینبؑ حسرت و یاس سے امام حسینؑ

کوتاک رہی تھیں کیونکہ آپ جان رہی تھیں کہ آنے والی صبح کو امام شہید ہو جائیں گے۔

لبریز زہرِ جور سے وہ دشت کا ایاغ
دکھتے ہوئے وہ دل وہ تپکتے ہوئے دماغ
(۲۲)
آنکھوں کی پتلیوں سے عیاں وہ دلوں کے داغ
پُرہول ظلمتوں میں وہ سہمے ہوئے چراغ
بکھرے ہوئے ہوا میں وہ گیسو رسولؐ کے
تاروں کی روشنی میں وہ آنسو بتولؑ کے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ لبریز = کناروں تک بھرا ہوا۔ زہرِ جور = ظلم کا زہر۔ یہ اضافت تشبیہی ہے۔ جور (ظلم) کو زہر سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ دونوں اثر میں ایک دوسرے کے مثل ہیں۔ دشت = میدان۔ مراد میدانِ کربلا۔ ایاغ = پیالہ۔ تپکنا = پھوڑے پھنسی کی سی دکھنے کی تکلیف ہونا

رواں مطلب: کربلا کا میدان امام حسینؑ اور آپ کے ساتھ والوں پر کئے جانے والے ظلم سے کناروں کنارہ بھرا ہوا تھا۔ ان سب افراد کے دل و دماغ غم اور اندیشوں سے دکھ رہے تھے۔ یہاں زہرِ جور کی رعایت سے ایاغ (پیالہ) اس لئے کہا گیا ہے کہ زہر پیالہ ہی میں پیا جاتا تھا۔ (اب تو انجکشن کے ذریعہ دے دیا جاتا ہے)۔ اس جگہ تلمیح یعنی اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یونان کے مشہور فلسفی سقراط Socrates کو فلسفیانہ خیالات کے باعث حکومت کی طرف سے موت کی سزا دئے جانے پر پیالہ میں زہر دیا

گیا تھا۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: عیاں = ظاہر۔ نمایاں۔ دلوں کے داغ = غم کا اثر۔ پُرہول = خوفناک ظلمت = تاریکی۔ ظلمتوں کو خوفناک اس لئے کہا گیا ہے کہ اس رات کے بعد آنے والی صبح قتل و تباہی کی صبح ہونے والی تھی۔ سہمے ہوئے = ڈرے ہوئے۔ چراغوں کو بھی سہمے ہوئے اسی مذکورہ وجہ سے کہا گیا ہے۔

رواں مطلب :- امام حسینؑ کی طرف والے افراد کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کے دل غم سے رنجور ہیں۔ بلکہ افراد ہی نہیں رات میں جلنے والے چراغ بھی اس غم کے خوف سے متاثر معلوم ہو رہے تھے۔ اس طرح شاعر نے امام حسینؑ کے متعلق اپنے غم کو تمام ماحول پر محیط کر دیا ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: گیسو = سر کے بال۔ سر کے بالوں کا پراگندہ یا بکھرا ہونا اس زمانہ میں غم زدہ ہونے کی علامت مانی جاتی تھی۔ بتول = جناب فاطمہ بنتِ رسول اللہؐ کا لقب۔

رواں مطلب :- (امام حسینؑ پر غم و مصائب کے ہجوم کے باعث جس کا ذکر پہلے شعر میں آچکا ہے) رسول خداؐ بھی اسقدر مغموم ہیں کہ آپ کے سر کے بال پراگندہ ہیں اور اسی غم کے باعث آنحضرتؐ کی بیٹی یعنی امام حسینؑ کی مادرِ گرامی حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا بھی زیرِ آسمان گریہ کر رہی ہیں۔

---

(۲۳)

وہ رات، وہ فرات وہ موجوں کا خلفشار
عابد کی کروٹوں پہ وہ بے چارگی کا بار
وہ زلزلوں کی زد پہ خواتین کا وقار
اصغرؑ کا پیچ و تاب وہ جھولے میں بار بار
اصغرؑ میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: خلفشار = تلاطم۔ بار بار اٹھنا بیٹھنا۔ عابد = امام حسینؑ کے بڑے فرزند (امام) علی بن الحسین جو زین العابدین کے لقب سے مشہور رہیں۔ آپ ہی کو مختصراً عابد کہا جاتا ہے۔ کروٹوں پہ = مشہور روایت کے مطابق آپ کربلا کے عظیم واقعہ کے دوران بیمار تھے (اسی لئے آپ بیمار کربلا بھی کہلاتے ہیں) اور بستر علالت پر لیٹے رہتے اور کربلا کے جہاد میں شرکت نہ کر سکتے تھے

بے چارگی = مراد بے بسی

دوران مطلب:۔ شاعر شب عاشور کے مختلف منظر پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس رات دریائے فرات میں پانی کی موجیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں اور دوسری طرف (امام) زین العابدین علیہ السلام بیماری کی حالت میں کروٹیں لیتے ہوئے بے بسی محسوس کر رہے تھے کیونکہ وہ جہاد میں حصہ نہ لے سکتے تھے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: زلزلہ = مراد بار بار کے ناگہانی مصائب۔ خواتین = خاتون کی جمع عربی قاعدے سے۔ معنی باعزت عورت۔ یہ امر

قابلِ غور ہے کہ "خاتون" کا لفظ فارسی کا ہے اور فارسی قاعدے سے اس کی جمع خاتونان ہے لیکن اردو ادب میں "خواتین" کا لفظ اسقدر مقبول ہو گیا ہے کہ اب یہ غلط العام فصیح میں داخل ہو گیا ہے۔ اس جگہ مراد امام حسینؑ اور آپکے رفقائے کرام کی عورتیں ہیں

وقار = پُرعزت رکھ رکھاؤ۔ اصغر = امام حسینؑ کے شش ماہے فرزند حضرت علی اصغر۔ پیچ و تاب = تڑپنے کی حالت۔

رواں مطلب:۔ اس مصرع میں بھی شب عاشور کی کیفیتوں کا بیان جاری ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ گھڑی گھڑی ناگہانی مصیبتوں کے باوجود امام حسینؑ اور آپ کے رفقائے اہل حرم اپنی باعزت حیثیت کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ اور ایک طرف حضرت علی اصغر اپنے جھولے میں (پیاس کی وجہ سے) پیہم تڑپ رہے تھے۔

تیسرا شعر:۔ شرحِ الفاظ: اضطراب = بے چینی۔ تڑپ

رواں مطلب:۔ شاعر کے عقیدے میں جھولے میں حضرت علی اصغر نہیں تڑپ رہے تھے بلکہ وہ جناب رسول خداؐ کا دل دھڑک رہا تھا۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ حضرت علی اصغر کی رگوں میں حضرت امام حسینؑ کا فرزند ہوئے کے ذریعہ سے جناب رسول خداؐ کا خون دوڑ رہا تھا اس لئے ان کا تڑپنا گویا رسول خدا کے دل کا دھڑکنا کہا گیا ہے۔

وہ رات جب امام کی گونجی تھی یہ صدا ۔ اے دوستانِ صادق و یارانِ باصفا
(۲۴)
باقی نہیں رہا ہے کوئی اور مرحلہ ۔ اب سامنا ہے موت کا اور صرف موت کا
آنے ہی پر بلائیں ہیں اب تحت وفوق سے
جانا جو چاہتا ہے، چلا جائے شوق سے

اس بند کے تینوں شعر امام حسینؑ کے فرمائے ہوئے جملوں پر مشتمل ہیں اور مل کر مطلب پورا کرتے ہیں اس لئے پورے بند کا مطلب ایک ساتھ بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ صدا = آواز۔ دوستاں = جمع دوست کی فارسی طریقہ سے۔
صادق = سچے، وفادار۔ یاراں = جمع یار کی فارسی طریقہ سے معنی دوست۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: مرحلہ = سفر کے راستہ کا حصہ۔ مراد حل طلب مسئلہ

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: تحت = نیچے۔ فوق = اوپر۔ تحت وفوق سے یعنی نیچے اور اوپر سے گویا ہر طرف سے۔

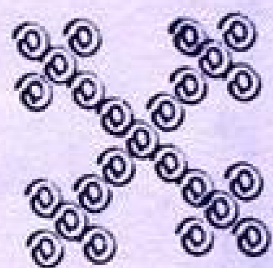
بند کا رواں مطلب:۔ اس بند میں یہ تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ شبِ عاشور امام حسین علیہ السلام نے اپنے اعزا و انصار میں سے سب مردوں کو جمع فرما کر صاف صاف اعلان کر دیا کہ اب ہونے والی صبح کو ان سب کو یقینی طور پر شہید ہو جانا ہے کیونکہ صلح وغیرہ کے امکانات ختم ہو گئے تھے۔ اس لئے ان افراد میں سے جو اپنی جان بچانا چاہے وہ رات ہی میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلا جائے اور اپنی جان بچا لے۔

تاریخی تلمیح کی تصریح کی روشنی میں بند کا مطلب صاف ہے۔

---

(۲۵)

اور سنتے ہی یہ بات بصد کرب و اضطراب — شبیرؑ کو دیا تھا یہ انصار نے جواب
دیکھیں جو ہم یہ خواب بھی اے ابنِ بوترابؑ — واللہ فرطِ شرم سے ہو جائیں آب آب
قرباں نہ ہو جو آپ سے والا صفات پر
لعنت اس امن و عیش پہ تف اس حیات پر



پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ بصد = صد معنی سو مراد بہت زیادہ یا حد درجہ۔

کرب و اضطراب = تکلیف اور بے چینی۔ بصد کرب و اضطراب = حد درجہ تکلیف اور بے چینی محسوس کرتے ہوئے۔ انصار = جمع ناصر کی معنی مدد کرنے والے۔ یعنی امام حسینؑ کے رفقاء۔

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ کی تقریر سننے پر آپ کے رفقاء کو سخت تکلیف ہوئی (ظاہراً اس خیال سے کہ شاید امامؑ کو ان حضرات پر اعتبار نہیں ہے) تو ان لوگوں نے امامؑ کو یہ جواب دیا... کہ

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ دیکھیں جو ہم یہ خواب = اگر ہم یہ خیال بھی کریں۔ یہ = یعنی کہ اپنی جان بچانے کے لئے آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ ابن بوتراب = ابن یعنی فرزند۔ بوتراب حضرت علیؑ کی کنیت ہے اس لئے ابن البوتراب سے مراد امام حسینؑ ہیں۔ واللہ = قسم بہ خدا۔ فرط = زیادتی۔ آب آب ہو جانا = لفظی معنی پانی پانی ہو جانا۔ شرم سے پانی پانی ہو جانا محاورہ ہے۔ معنی شدید شرم محسوس کرنا۔

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ کے جواب میں انصار گرامی نے کہا کہ اگر ہم ذرا سا بھی خیال کریں کہ

اپنی جان بچانے کے لئے آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں تو یہ ہمارے لئے انتہائی شرم کی بات ہوگی۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :۔ قربان ہونا = دوسرے کی جان بچانے کے لئے اپنی جان دے دینا۔ والاصفات = ملبند خوبیوں کے حامل۔ تُف = یہ لفظ کسی شئے کو بہت بُرا ہونے کے باعث ناقابلِ التفات ہونے پر حقارت کے طور پر کہا جاتا ہے۔

رواں مطلب :۔ جو کوئی آپ ایسے عالی صفات فرد پر اپنی زندگی نثار نہ کرے اور خود زندہ رہ جائے تو ایسے زندہ رہنے پر لعنت اور ایسی زندگی قابلِ نفرت و حقارت ہے۔

---

(۲۶)

کیا آپ کا خیال ہے یہ شاہ ذی حشم! ہم ہیں اسیرِ سود و زیاں صید کیف و کم

خود دیکھ لیجئے گا کہ گاڑیں گے جب قدم ہٹنا تو کیا ہلیں گے نہ دشتِ وغا سے ہم

پتلے ہیں ہم حدید کے پیکر ہیں سنگ کے

انساں نہیں، پہاڑ ہیں میدانِ جنگ کے

پہلا شعر۔ شرحِ الفاظ :۔ ذی حشم = لفظی معنی نوکر چاکر والے۔ عام طور پر شان و شوکت والے مراد لئے جاتے ہیں۔ اسیر = قیدی۔ سود = نفع۔ زیاں = نقصان صید = شکار۔ کیف = کیسا۔ کم = کتنا

رواں مطلب :۔ اس بند میں بھی امام علیہ السلام کے اعزّا و انصار کا جواب جاری ہے۔ کہتے ہیں کہ اے امام کیا آپ یہ سمجھ رہے ہے کہ ہم اپنا نفع اور نقصان اور اس کی کمی و زیادتی وغیرہ کے خیال میں ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: دشت = میدان۔ وغا = جنگ۔

مطلب صاف ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ پُتلے = مجسّمے۔ حدید = لوہا۔ پیکر = جسم۔ سنگ = پتھر

مطلب اس شعر کا بھی واضح ہے۔

---

(٢٧)

ہاں ہاں وہ رات، دہشت وبیم ورجا کی بات
افسونِ جاں کنی وطلسمِ قضا کی رات

لب تشنگانِ ذریتِ مصطفا کی رات
جو حشر سے عظیم تھی وہ کربلا کی رات

شبیرؑ نے حیات کا عنواں بنادیا
اس رات کو بھی مہرِ درخشاں بنادیا

پہلا شعر۔ شرحِ الفاظ: ہاں ہاں = یہ محاورہ ہے اور اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی بات کا یقین دلانا مقصود ہو۔ دہشت = خوف زدگی۔ گھبراہٹ۔ بیم = مایوسی رجا = امید۔ افسوں = جادو۔ جاں کنی = جان (روح) کا جسم سے نکلنا۔ طلسم = جادو۔ قضا = موت۔

رواں مطلب :۔ یہ رات یعنی شبِ عاشور ایسی رات تھی جب ہر فرد امید ونا امیدی میں گرفتار تھا۔ امید اس لئے کہ جب تک زندگی رہتی ہے امید بھی اس کا جز بنی رہتی ہے۔ اور نا امیدی تو اس وقت کے حالات میں ہونا ہی چاہیئے تھی بلکہ نا امیدی کے باعث اس رات ہر فرد اپنی موت واقع ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور ایک لحاظ سے جان نکلنے کی تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ ظاہراً اس رات کو محسوس ہونے والی کیفیت کو فسونِ جاں کنی اور طلسم قضا اس لئے کہا ہے کہ آنے والی صبح کو موت یقیناً واقع ہوجانے کے تصور نے خیالات اور احساسات کو جادو کی مانند شل اور ماؤف کردیا تھا۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: لب تشنگاں = جمع لب تشنہ کی (فارسی طریقہ سے) معنی پیاسے۔ ذرّیت = اولاد۔ مصطفٰے = رسول خداؐ کا مشہور لقب۔ ذریتِ مصطفٰےؐ یعنی امام حسینؑ اور آپ کے بچے، بھتیجے، بھانجے وغیرہ جو سب جناب رسولِ خدا حضرت محمد مصطفٰے کی اولاد میں شمار ہوتے تھے۔ حشر = روزِ قیامت۔ عظیم = مراد زیادہ پُرہول۔

رواں مطلب: کربلا میں آنے والی شب عاشور وہ رات تھی کہ جناب رسول خدا کی اولاد کے سب افراد پیاسے تھے۔ اور یہ رات روزِ قیامت سے بھی زیادہ پُرہول اور دہشت خیز تھی

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: شبّیر = امام حسینؑ کا اسم گرامی۔ حیات = زندگی۔ عنوان = طریقہ مہر = آفتاب۔ درخشاں = چمکنے والا۔

رواں مطلب: گویا امام حسینؑ نے اس رات کو صحیح طریقہ پر زندگی گزارنے کا یعنی ابقائے اسلام کی خاطر زندگی قربان کردینے کا طریقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا کے سامنے پیش کردیا۔ اس طرح یہ رات انسانیت کے لئے ہدایت کا نشان بن گئی جس طرح آفتاب تمام عالم کے لئے روشنی کا گویا (مادّی) ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

---

(۲۸)

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دمبدم
دشتِ ثبات وعزم ہے، دشتِ بلا وغم
صبرِ مسیح وجرأتِ سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتشِ بدر وحنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسینؑ ہے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: دم بدم = پیہم، مسلسل۔ دشت = بیاباں، میداں۔

رواں مطلب :- تاریخ ہمیں بتلا رہی ہے کہ گو ظاہراً کربلا کا میدان امام حسین کے لئے آلام و مصائب کا میدان تھا (جو آپ پر اس لئے عائد کئے جا رہے تھے کہ آپ نے یزید بن معاویہ کی بحیثیت خلیفۂ اسلام بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا) لیکن ان تمام مصائب و شدائد کے باوجود آپ انکار بیعت پر پورے عزم و ثبات کے ساتھ قائم رہے یہاں تک کہ بالآخر مع اقرباء و انصار کئی روز کے پیاسے شہید کر دئے گئے اس طرح کربلا کا میدان مصائب و شدائد کے میدان کے بجائے تاریخ عالم میں عزم و ثبات کا دائمی نشان بن گیا۔

دوسرا شعر: شرح الفاظ :- صبر مسیح = مسیح حضرت عیسیٰ پیغمبر کا لقب۔ صبر مسیح اس لئے مشہور ہے کہ آپ کو ہدایت کرنے کے باعث آپکے منکرین نے پھانسی پر چڑھا دیا اور آپ نے اس کو صبر سے برداشت کیا۔

جرأت = ہمت۔ سقراط = قدیم یونان کا مشہور و معروف عظیم فلسفی جس کو فلسفیانہ خیالات کے باعث جو اس وقت کے معاشرہ اور حکومت کو قبول نہیں تھے موت کی سزا دی گئی جس کے لئے اسکو پیالہ میں زہر پینے کے لئے دیا گیا اور اس نے پی لیا۔ حالانکہ اس کے دوستوں اور چاہنے والوں نے اس کو قبل از موت قید سے نکل جانے اور موت کی سزا سے بچ جانے کی ترکیبیں پیش کیں لیکن اس نے ان سب تجویزوں کو ٹھکرا کر پوری جرأت سے زہر کا پیالہ پی لیا اور موت کی نیند سو گیا۔

رواں مطلب :- شاعر ان دونوں ہستیوں یعنی حضرت عیسیٰ پیغمبر اور سقراط کی

قسم کھا کر یعنی ان کے صبر و جرأت کو قابلِ احترام مانتے ہوئے کہتا ہے کہ پھر بھی مصائب و شدائد کے ہوشربا ہجوم میں گھرے ہوئے کے باوجود لوہے عزم و ثبات کے ساتھ حق پر قائم رہنا صرف ایک شخص نے کر کے دکھایا ہے جس کا نامِ نامی اگلے شعر میں بیان کیا ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :- آتش = آگ - یہاں مراد گرم خون یعنی ہمت و جرأت والا خون۔ بدر و حُنین = رسول اللہ صلعم کے زمانہ کی نہایت مشہور جنگیں جو مسلمانوں اور قریش وغیرہ کفار کے درمیان ہوئیں اور جن میں حضرت علی بن ابی طالب کی بے مثال بہادری اور کارکردگی کی بدولت مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ یہاں بدر و حنین سے فاتح بدر و حنین یعنی حضرت علیؑ مراد ہیں۔ آتشِ بدر و حنین = فاتح بدر و حنین یعنی حضرت علیؑ کا خون۔ سورما = بہادر شخص۔ اسمِ گرامی = معزز نام۔

رواں مطلب :- وہ عظیم الشان، جس کی طرف ماقبل شعر میں اشارہ کیا گیا فاتح بدر و حُنین علی بن ابیطالبؑ کا فرزند ہے اور اس بہادر شخص کا نام نامی "حسینؑ" ہے

---

(۲۹)

جو صاحبِ مزاجِ نبوت تھا، وہ حسینؑ — جو وارثِ ضمیرِ رسالت تھا، وہ حسینؑ

جو خلوتی شاہدِ قدرت تھا، وہ حسینؑ — جس کا وجود، فخرِ مشیت تھا وہ حسینؑ

سانچے میں ڈھالنے کے لئے کائنات کو

جو تولتا تھا نوکِ مژہ پر حیات کو

پہلا شعر: شرحِ الفاظ :- صاحب = مراد واقف، جاننے والا۔ مزاجِ نبوت = مراد

عہدۂ نبوت کے تقاضے اور ذمہ داریاں۔ **وارث** = پیدائش کی بدولت پانے والا۔ ضمیرِ رسالت = **جناب رسول خداؐ کی باطنی قوت** فکر و فیصلہ۔

رواں مطلب :۔ نام ظاہر کرنے کے بعد اب شاعر امام حسینؑ کے مزید اوصاف **عالیہ بیان کرتا ہے**۔ یعنی یہ کہ **امام حسینؑ** جناب رسول **خداؐ** کے عہدۂ **نبوت** کے تقاضوں **اور ذمہ داریوں سے واقف تھے**۔ نیز آپ آنحضرت کی **باطنی قوت فکر** و فیصلہ کے بھی حامل تھے جو آپ کو (**رسول خداؐ** کا نواسہ ہونے کے ذریعہ سے) **پیدائشی** طور **پر یعنی وراثتہً** ملی تھی۔

دوسرا شعر: شرح الفاظ :۔ خلوتی = تنہائی میں ساتھ رہنے والا یعنی راز دار **شاہد قدرت = مراد رسول خداؐ**۔ وجود = زندگی۔ فخرِ مشیئت = کائنات کے لئے باعثِ فخر۔

رواں مطلب :۔ امام حسینؑ جناب رسول خداؐ کے **تنہائی میں ساتھ رہنے والے** یعنی **راز دار** تھے۔ امامؑ کی زندگی ساری **دنیا** کے لئے باعث فخر تھی۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ :۔ سانچے میں ڈھالنا = صحیح شکل میں یا سیدھے راستہ پر قائم رکھنا۔ نوک مژہ پر تولنا = آنسو کی مانند آنکھ سے گرانا۔ گویا کسی شئے کو حقارت کی نظر سے دیکھنا۔

رواں مطلب :۔ **امام حسینؑ** ساری **کائنات** کو **اس طرح** ہدایت کے صحیح راستہ پر رکھنا چاہتے تھے جس طرح سانچے میں **ڈھلی ہوئی چیز**۔ اور ضرورت کے وقت **اپنی زندگی کو** قربان کرنے **کے لئے اس طرح** تیار رہتے تھے

جس طرح آنسو آنکھ سے نکل کر گرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

جو اک نشانِ تشنہ دہانی تھا، وہ حسینؑ (۳۰) گیتی پہ عرش کی جو نشانی تھا، وہ حسینؑ
جو خلد کا امیر جوانی تھا، وہ حسینؑ جو اک سنِ جدید کا بانی تھا، وہ حسینؑ
جس کا لہو تلاطمِ پنہاں لئے ہوئے
ہر بوند میں تھا نوح کا طوفاں لئے ہوئے

پہلا شعر: شرح الفاظ:۔ تشنہ دہانی = پیاس ۔ گیتی = زمین ۔ عرش = آسمان

رواں مطلب: یہ وہی حسین ہیں جو پیاسے شہید کئے گئے تھے اور اس لئے پیاس کی نشانی مانے جاتے ہیں۔ گویا آپ کے نام کے ساتھ پیاس کا تصور وابستہ ہو گیا ہے اور یہی وہ حسین ہیں جو اپنے بلند مرتبہ کے باعث گویا زمین پر عرش کی نشانی ہیں۔ یہ خیال رہے کہ مرتبہ کی عظمت کو بلندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ انسان کی نظر میں آسمان (عرش) سب سے زیادہ بلند ہے اس لئے اس سے نسبت گویا سب سے بڑی بلندی اور اسی لئے سب سے بڑے مرتبہ سے منسوب کرنا ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ خلد = لفظی معنی ہمیشگی۔ مراد جنّت جو اسلامی عقیدہ کے لحاظ سے ہمیشہ کی زندگی کی جگہ مانی جاتی ہے۔ امیرِ جوانی = جوانوں کے سردار۔ یہ اشارہ ہے رسول خدا(ص) کی اس حدیث کی طرف کہ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ یعنی حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ سن = سال مراد دور۔ جدید = نیا

بانی = بنا ڈالنے والا۔

رواں مطلب:- اور یہی ہیں وہ حسین جو (رسولِ خدا ؐ کے فرمان کے مطابق) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اور یہی ہیں وہ جنہوں نے (اپنی جان کی قربانی دیکر) اسلام کو نئی زندگی عطا کی جسکی وجہ سے اسلام زندگی کے نئے دور میں داخل ہوگیا۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:- لہو = خون۔ تلاطم = تھپیڑے والی حرکت۔ پنہاں = پوشیدہ نوح = مشہور پیغمبر۔ نوح کا طوفان = پانی کا وہ عظیم طوفان جو حضرت نوح کے زمانہ میں واقع ہوا تھا اور جس میں حضرت نوح کی کشتی میں جو انہوں نے بحکم خدا تیار کی تھی سوار افراد کے علاوہ ان کی قوم کے سب افراد فنا ہو گئے تھے۔

رواں مطلب:- حسین علیہ السلام وہ ہستی تھے جن کے (شہادت کے باعث بہنے والے) خون میں ایسی انقلاب انگیز حرکت پوشیدہ تھی کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے خون کی ہر بوند میں طوفان نوح کی سی کیفیت موجزن تھی۔

---

(۳۱)

جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا، وہ حسینؑ — خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسینؑ

اِک دینِ تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسینؑ — جو کربلا کا داورِ محشر تھا وہ حسینؑ

جس کی نظر پہ شیوہ حق کا مدار تھا

جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: کاروان = قافلہ عزم = پختہ ارادہ۔ رہبر = راہ دکھانے

والا فائدہ۔ کاروانِ عزم = پختہ ارادہ رکھنے والوں کا قافلہ۔ مراد امام علیہ السلام کے وہ رفقا جو آپ ہی کی مانند پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے۔

شناور = پیرنے والا

رواں مطلب :۔ اس بند میں امام حسین ؑ کی مختلف حیثیتوں سے صفات عالیہ بیان ہو رہی ہیں۔ یعنی یہی ہیں وہ حسین ؑ جنہوں نے اپنی قیادت کے ذریعہ اپنے رفقاء کو بھی ارادہ پر پختگی سے قائم رہنا سکھا دیا۔ اور یہی ہیں وہ حسین ؑ جو (یزید ابن معاویہ کی بیعت نہ کرنے کے ارادہ پر قائم رہنے کی بدولت) شہید ہو کر اپنے ہی خون میں اس طرح تر بتر ہو گئے جیسے خون میں پیرے ہیں۔

دوسرا شعر، شرح الفاظ :۔ دین = مذہب، طریقہ پیمبر = مراد بانی شروع کرنے والا۔ داورِ محشر = میدان حشر کا مالک و مختار۔ کربلا کا داورِ محشر = یہ اضافت تشبیہی ہے۔ کربلا کے میدان کو میدانِ حشر سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

رواں مطلب :۔ امام حسین ؑ نے جان کی قربانی دے کر ابری زندگی حاصل کرنے کے طریقہ کی بنیاد رکھ دی۔ اس طرح آپ گویا اس نئے طریقہ کے پیمبر تھے۔ اور عاشورہ کے روز آپ کربلا کے حشر جیسے میدان کے مالک و مختار تھے۔ ظاہراً اس لئے کہ اپنے رفقاء و اعزا کے لئے تو آپ تھے ہی مرکز توجہ لیکن مخالف فوج کی نظروں اور مظالم کا ہدف آپ ہی تھے۔ اور آپکی عظمت سب پر چھائی ہوئی تھی۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ شیوہ = طریقہ۔ حق = مراد دین اسلام۔ نظر = مراد تصور، فیصلہ اور طریقۂ عمل۔ مدار = لفظی معنی وہ کیلی یا کھونٹی جس پر کوئی گھومنے والی چیز یا چرخی گھومتی ہے۔ مراد وہ شے جس پر کسی چیز کا قیام یا طریقۂ عمل منحصر ہو۔ گویا مدار معنی انحصار۔ روحِ انقلاب = وہ بنیادی اور عمیق انقلاب جس کے ذریعہ امام حسینؑ نے اسلام میں وہ روح پھونک جس کی بدولت دینِ حق سربراہانِ مملکت کی خواہشات کا شکار ہونے سے دائماً محفوظ ہو گیا۔

رواں مطلب:۔ حسین ہی کے تصورات، فیصلوں اور طریقۂ عمل پر دینِ حق کے قیام کا انحصار ہے۔ آپ ہی اس انقلاب کے محرک، بانی اور عملاً کرنے والے ہیں جس پر اسلام کے قیام کا انحصار ہے۔

---

(۳۲)

ہاں اب بھی جو منارۂ عظمت ہے وہ حسینؑ — جسکی نگاہ، مرگِ عداوت ہے وہ حسینؑ
اب بھی جو محورِ درسِ محبت ہے وہ حسینؑ — آدم کی جو دلیلِ شرافت ہے وہ حسینؑ

واحد جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا
اللہ رے انتخاب، خدائے حکیم کا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ اب بھی = یہ اس لئے کہا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کو سات سو سے زیادہ مدت گزر چکی ہے۔ منارہ = لفظاً وہ مقام جہاں سے روشنی نکلتی ہو۔ اصطلاح میں روشنی کے اس ستون کو کہتے ہیں جو ساحل پر قائم ہوتا ہے تاکہ سمندر سے چلنے والے جہاز، کشتیاں

وغیرہ اس کے ذریعہ اور مدد سے اپنے راستے صحیح کرسکیں۔ مرگ = موت
عداوت = دشمنی۔ مرگِ عداوت = دشمنی کی موت یعنی دشمنی کا ختم ہوجانا

رواں مطلب :۔ حسینؑ کی عظمت اب بھی روشنی کے مینار کی مانند نمایاں
اور ذریعہ ہدایت ہے۔ اور آپ جس کسی کی طرف نگاہ محبت
سے دیکھ لیں تو اس کے دل سے دشمنی کدورت وغیرہ زائل ہوجاتی
ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اشارہ اس تاریخی واقعہ کی جانب ہو کہ جب امام
حسینؑ مکہ معظمہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے تو خلیفہ وقت یزید بن
معاویہ نے اپنے کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو حکم بھیجا کہ
امامؑ کو کوفہ نہ جانے دیا جائے بلکہ راستہ میں جہاں کہیں بھی
وہ مل جائیں ان کو گرفتار کرلیا جائے۔ چنانچہ عبید اللہ بن
زیاد نے اپنے ایک افسر حُر بن یزید ریاحی کی سرکردگی
میں ایک ہزار کا لشکر اس مقصد کے لئے روانہ کردیا۔ جب
ایک منزل پر جب حُر کی ملاقات امام حسینؑ سے ہوئی تو اس کے لشکر
کا پانی کا ذخیرہ ختم ہوگیا تھا اور لشکر کے سب افراد سخت پیاسے تھے
یہ دیکھ کر امامؑ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ دشمن کا بھیجا ہوا لشکر تھا
جو آپ ہی کو گرفتار کرنے پر مامور تھا آپ نے حُر کے پورے لشکر کو
یہاں تک کہ جانوروں کو بھی اپنے ساتھ کا پانی پلوادیا۔ امامؑ کے اسی
کریمانہ برتاؤ کے نتیجہ میں عاشورہ کے روز حُر بن یزید ریاحی دشمن کا
لشکر چھوڑ کر امامؑ کے انصار باوفا میں آملے اور تمام انصار کی مانند

امامؑ کی نصرت میں شہید ہوئے بلکہ ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے شہید حرؑ ہی تھے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ محو = مشغول۔ درس = سبق۔ آدم = حضرت آدم پیغمبر جو سب سے پہلے انسان ہیں اور اسی لئے ابو البشر بھی کہے جاتے ہیں۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپکی خلقت کے وقت اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ جیسے ہی آپ خلق ہوں تو سب فرشتے آپ کو سجدہ کریں۔

رواں مطلب:۔ امام حسین علیہ السلام کی حیات طاہرہ سے اب بھی انسانوں کو محبت کا سبق ملتا ہے۔ اور حسینؑ ہی حضرت آدم کی اس شرافت کی دلیل ہیں جسکی وجہ سے اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: واحد = مراد صرف ایک۔ ذبح عظیم = یہ تلمیح ہے اس تاریخی واقعہ کی جانب جو قرآنی بیان کے مطابق مختصراً یہ تھا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم پیغمبر کو خواب کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو جو اسوقت نہایت کم سن تھے اللہ کی راہ میں ذبح کر کے قربان کر دیں لیکن جب حضرت ابراہیم نے اس قربانی کی تیاری کر کے حضرت اسمعیل کو اپنے لحاظ سے ذبح کیا تو قدرت الٰہی سے حضرت اسمعیل کی بجائے ایک دُنبہ ذبح ہو گیا اور حضرت اسمٰعیل ذبح ہونے سے محفوظ رہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیم سے کہا گیا کہ آپ نے (اپنی حد تک ہمارے حکم پر مشتمل) اپنے خواب کو پورا کر دکھایا۔ اور یہ ذبح عظیم ہے جس کو ہم نے بعد والوں کے لئے باقی رکھ لیا ہے

رواں مطلب:۔ مذکورہ بالا واقعہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ امام حسینؑ اس

"ذبح عظیم" کا اکیلے نمونہ ہیں جس کے متعلق اللہؔ نے کہا ہے کہ ہم نے اس کو بعد والوں کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ اسی لئے اس شعر کے دوسرے مصرع میں شاعر نے کہا ہے کہ اس ذبح عظیم کا نمونہ بننے کے لئے اللہؔ نے امام حسین علیہ السلام کو منتخب کیا وہ نہایت پر حکمت تھا کیونکہ امامؑ اس کا صحیح مصداق ثابت ہوئے۔

ہاں وہ حسینؑ، جس کا ابد آشنا ثبات (۳۳) کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درونِ پردۂ صد رنگِ کائنات اک کارساز ذہن ہے، اکِ ذی شعور ذات
سجدوں سے کھینچتا ہے جو "مسجود" کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے "معبود" کی طرف

اس بند کے تینوں شعروں کا پورا مطلب بیان کرتے ہیں اس لئے پورے بند کا مطلب ایک ساتھ بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ ابد = ہمیشگی مراد اللہ۔ آشنا = پہچاننے والا، معرفت رکھنے والا ابد آشنا = اللہ کی معرفت رکھنے والا۔ ثبات = مستقل مزاجی، استقلال گاہ گاہ = بار بار۔ حکیم = فلسفہ داں، مراد وہ دانشور جو کائنات کی ابتداء و انتہا (یعنی مبداء و معاد) گویا خلقت اور غرض خلقت وغیرہ ایسے بنیادی مباحث و مسائل پر سوچتے اور گفتگو کرتے ہیں۔

دوسرا شعر: شرح الفاظ:۔ درونِ پردہ = پردے کے اندر گویا مستور یا چھپا ہوا ظاہراً نظر نہ آنے والا۔ صد = سو۔ صد رنگ = مراد قسم قسم کے۔ کائنات = دنیا و مافیہا یعنی دنیا کی تمام چیزیں۔ کارساز = باعمل، انتظامِ عالم کرنے والا۔ ذہن = عقل مراد بافہم ذات۔

ذی شعور = بافہم، سمجھنے والا۔ ذات = ہستی، فرد۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:- مسجود = جس کو سجدہ کیا جائے یعنی اللہ۔ معبود = جس کی عبادت کی جائے یعنی اللہ۔

بند کا رواں مطلب: حسینؑ اپنے ارادہ پر ایسی پختگی سے قائم رہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے وجود کے قائل ہیں اور اُن کا (شہادت حاصل کرنے کا) کارنامہ بار بار اُن دانشوروں کو جو کائنات کی خلقت اور غرضِ خلقت وغیرہ ایسے بحث خیز مسائل کے ماہر ہیں بتاتا رہتا ہے کہ دنیا کی تمام قسم قسم کی موجودات کو اپنے اپنے مقرر کئے ہوئے طریقوں پر باعمل اور مصروف رکھنے والی ایک بافہم فرد یا ذات (گویا اللہ) ضرور ہے۔ دوسرے الفاظ میں امام علیہ السلام کا یہ ثبات، یہ استقلالِ ارادہ و عمل اللہ کے وجود پر یقین لے آنے کا خاص اکیلا ذریعہ ہے۔ اور مجبور کرتا ہے کہ کوئی ذات ہے جس کو سجدہ کیا جانا چاہئے۔

جس کا وجود، عدل و مساوات کی مُراد
جو کردگارِ امن تھا، پیغمبرِ جہاد
(۳۴)
تحویلِ زندگی میں پئے رفعِ ہر فساد
قدرت کی اک امانتِ زریں ہے جسکی یاد
سوزاں ہے قلبِ خاک، جو خونِ مبین سے
اک لَو نکل رہی ہے ابھی تک زمین سے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: عدل و مساوات = انصاف اور برابری۔ کردگارِ امن = امن قائم رکھنے والا۔ پیغمبر = مرادِ الٰہی ذمہ داری سے

کام کرنے والا۔ جہاد ۔ حفاظت دین کے لئے جنگ کرنا۔

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ کا وجود معاشرہ میں عدل اور مساوات کی ضمانت تھا۔ آپ سب سے بڑے امن قائم کرنے والے تھے۔ اور آپ دین کی حفاظت کے لئے اللہ کے احکام کے مطابق جنگ کرنے والے تھے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: تحویل ۔ تبدیلی ۔ تحویلِ زندگی ۔ زندگی کے انقلابات ۔ رفع ۔ دور کرنا ۔ مٹانا ۔ فساد ۔ خرابی ۔ قدرت کی ۔ اللہ کی دی ہوئی ۔ امانت ۔ جو شے کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھائی جائے۔ اس کا ضائع کرنا معاشرہ میں اخلاقاً بھی برا مانا جاتا ہے اور اسلامی شریعت میں بھی گناہ شمار ہوتا ہے۔ زرّیں ۔ سنہری مراد قیمتی۔

رواں مطلب: امام حسینؑ کی یاد اللہ کی طرف سے ایک قیمتی امانت ہے جو انقلابات زندگی کی ہر قسم کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے مفید ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ۔ سوزاں ہے ۔ جل رہا ہے۔ قلب خاک ۔ زمین کا دل مبین ۔ ظاہر ۔ خونِ مبین ۔ امام حسینؑ کا خون جو آپ کو ظاہر بہ ظاہر قتل کرکے بہایا گیا۔

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ کو کھلم کھلا قتل کر کے آپ کا خون زمین پر بہایا گیا اس لئے زمین کا دل اب تک اسی غم میں اس طرح جل رہا ہے گویا زمین سے شعلے نکل رہے ہیں۔

عزّت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا
صدق و منافقت کو، جدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا
(۳۵)
جس نے یزیدیت کو فنا کر کے دم لیا
فتنوں کو جس پہ ناز تھا وہ دل بجھا دیا
جس نے چراغِ دولتِ باطل بجھا دیا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ سر کو فدا کرنا = جان دے دینا۔ دم لینا = اطمینان کا سانس لینا۔ صدق = سچائی مراد اسلام پر سچا عقیدہ۔ منافقت = ظاہر میں اسلام پر عقیدہ اور باطن میں اسلام دشمنی۔ جدا = علیحدہ

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ نے عزّت کی خاطر شہید ہونا قبول کیا اور شہادت ہی کے ذریعہ اصلی اسلام اور اسلام سے جھوٹے یعنی محض ظاہری عقیدہ رکھنے والے افراد کو علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دیا۔

اس شعر کے پہلے مصرع میں امام حسینؑ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ اَلْمَوْتُ فِی الْعِزِّ خَیْرٌ مِّنْ حَیَاۃٍ فِی الذِّلِّ یعنی ذلت کی زندگی سے عزّت کی موت بہتر ہے۔ یہ خیال رہے کہ اس عزّت سے مراد ذاتی عزّت نہیں ہے بلکہ قرآن کے مطابق عزّت کا دارومدار اللہ یعنی اسلام ہے۔ گویا حفاظتِ اسلام کی خاطر ہر مصیبت و تباہی، ظاہری شکست و شہادت نیز قید و بند کے ذریعہ ذلت و تحقیر وغیرہ سب عزّت ہی عزّت ہے۔ دوسرے لفظوں میں امامؑ کے نزدیک عزّت حفاظتِ اسلام کی ہم معنی و مترادف ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ حق = مراد اسلام۔ ابد = ہمیشگی۔ یہاں مراد دنیا میں تاقیامت باقی و قائم رہنا۔ یزیدیت = اسلام کی مخالفت

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ نے (شہادت پر فائز ہو کر) اسلام کے دشمنوں کو (معنوی)

شکست دیدی اور اسلام کو دنیا میں ہمیشہ کے لئے قائم و ثابت کر دیا۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ فتنوں = فتنہ کی جمع ہندی طریقہ سے۔ معنی جھگڑا، فساد یہاں مراد اسلام کے خلاف کارروائیاں۔ ناز = فخر، اکڑ۔ دل بجھا دینا = ہمت توڑ دینا۔ دولت = حکومت چراغِ دولت = یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ دولت یعنی حکومت کو چراغ سے تشبیہ دی ہے اور اسی لئے اسکے تباہ یا ختم ہونے کو بجھنا کہا ہے جو چراغ کے لئے کہا جاتا ہے۔

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ نے ان مخالفِ اسلام کارروائیوں کو مٹا ڈالا جن پر دشمن اکڑتا تھا اور آپ نے مخالفِ اسلام حکومت کو بالکل ملیامیٹ و نابود کر دیا۔

عالم میں ہو چکا ہے مسلسل یہ تجربا
قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کشا
سرضعف کا ہمیشہ رہا ہے جھکا ہوا
ناطاقتی کی موت ہے، طاقت کا سامنا
(۳۶)
طاقت سی شے مگر خجل و بدنصیب تھی
ناطاقتیِ حسینؑ کی کتنی عجیب تھی

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ عالم = دنیا۔ مسلسل = بار بار۔ پیہم۔ قوت = طاقت خواہ جسمانی، فوجی یا اقتداری۔ گرہ کشا = گرہ کھولنے والی گویا مشکل حل کرنے والی۔

رواں مطلب:۔ دنیا میں بار بار یہ دیکھا جاتا رہا ہے کہ قوت و طاقت ہی سے مشکلیں حل ہوتی ہیں۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ ضعف = کمزوری، قوت کا نہ ہونا۔ سر جھکنا = ہار جانا

رواں مطلب :۔ پہلے شعر کے تسلسل میں شاعر کہتا ہے کہ تجربہ یہ بھی بتاتا ہے کہ کمزوری ہمیشہ ہار جاتی اور قوت کے مقابلہ پر اس کو ہمیشہ ہٹ جانا پڑتا ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :۔ خجل = شرمندہ۔ بدنصیب = مراد ناکام۔

رواں مطلب :۔ شاعر پہلے دو شعروں میں طاقت و کمزوری کے مقابلہ کا عام کلیہ بیان کرتا ہے یعنی یہ کہ ہمیشہ طاقت فتحیاب رہتی ہے اور کمزوری شکست سے دوچار ہوتی ہے اور اس تیسرے شعر میں اس کلیہ کا استثناء بیان کرتا ہے کہ امام حسینؑ نے طاقت بمعنی فوج وغیرہ نہ ہونے کے باوجود دشمن پر ایسی فتح حاصل کی کہ دشمن کا سارا غرور و جاہ مٹ کر رہ گیا۔ یعنی ناطاقتی کامیاب ہوگئی اور طاقت شرمندہ ہوکر رہ گئی۔

---

(۳۷)

طاقت سی شے کو خاک میں جس نے ملا دیا — تختہ اُلٹ کے، قصرِ حکومت کو ڈھا دیا

جس نے ہوا پہ، رعبِ امارت اڑا دیا — ٹھوکر سے جس نے افسرِ شاہی گرا دیا

اس طرح جس سے ظلم، سیہ فام ہوگیا

لفظِ یزید، داخلِ دشنام ہوگیا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ :۔ طاقت = مراد حکومت کی عسکری یعنی فوجی طاقت۔ شئے = چیز۔ خاک میں ملانا = مٹا دینا۔ تختہ الٹ دینا = کسی سیدھی چیز کو الٹ دینا۔ گویا برباد کر دینا۔ قصر = محل۔

قصرِ حکومت = یہ اضافت تشبیہی ہے۔ حکومت کو قصر (محل) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی لئے اس کے تباہ کرنے کو ڈھانا کہا گیا ہے۔

رواں مطلب :۔ امام حسینؑ وہ تھے جنہوں نے حکومت وقت کی (فوجی) طاقت اور اقتدار کو اس طرح مٹا دیا گویا حکومت کے محل کو گرا کر برباد کر دیا۔

دوسرا شعر :۔ شرحِ الفاظ :۔ رُعب = دبدبہ ، برتری کا خوف۔ امارت = سرداری۔ ہوا پر اڑا دینا = برباد کر دینا، مٹا دینا۔ (برباد کردن فارسی مرکب ہے اور ہوا پر اڑا دینا اسی کا ترجمہ ہے)۔ افسر = تاج

رواں مطلب :۔ حسینؑ ہی ہیں جنہوں نے حاکمِ وقت کی سرداری اپنے اقدام سے خاک میں ملا دی اور اس طرح اس کا تاج اپنی ٹھوکر سے گرا دیا۔ یعنی بڑی حقارت کے ساتھ۔

تیسرا شعر : شرحِ الفاظ :۔ سیہ فام = کالے جسم والا۔ یزید = خلیفۂ وقت یزید بن معاویہ۔ دُشنام = گالی

رواں مطلب : امامؑ کے اقدام کے نتیجہ میں ظلم کا لفظ اس قدر قابلِ نفرت ہو گیا جیسے کسی شخص کو قابلِ نفرت کرنے کے لئے اس کا منھ کالا کر دیا جائے یہانتک کہ یزید کا جو امامؑ پر ظلم کا جفا کا ذمہ دار تھا نام بھی گالی مانا جانے لگا۔

پانی سے تین روز ہوئے جس کے لب نہ تر (۳۸) تیغ و تبر کو سونپ دیا جس نے گھر کا گھر
جو مرگیا ضمیر کی عزت کے نام پر ذلت کے آستان پہ جھکایا مگر نہ سر
لی جس نے سانس، رشتۂ شاہی کو توڑ کر
جس نے کلائی موت کی رکھ دی مروڑ کر

پہلا شعر۔ شرحِ الفاظ:۔ تیغ = تلوار۔ تبر = بھالا۔ گھر کا گھر = مراد سب عزیز و انصار۔ سونپ دیا = مراد شہید ہو جانے دیا۔

رواں مطلب: امام حسینؑ پر (شہید کئے جانے سے پہلے) تین دن تک پانی بند کر دیا گیا تھا (چنانچہ آپ پیاسے ہی قتل کئے گئے) اور آپ کے تمام اعزا و انصار بھی میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ ضمیر = انسان کا باطنی شعور۔ آستان = دہلیز۔ دروازے کی چوکھٹ کی نیچے کی لکڑی یا نیچے کا حصہ۔ آستان پر سر جھکانا = آستان والے کی برتری قبول کر لینا۔ گویا اس کے مقابلہ پر ہار مان لینا۔

رواں مطلب:۔ امام حسینؑ اپنے ضمیر کے فیصلہ پر قائم رہے اور آپ نے (خلیفۂ وقت) یزید بن معاویہ کی بیعت کرنے کی ذلت گوارا نہیں کی۔

یہاں بھی عزت و ذلت کے الفاظ سے امام حسینؑ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ "اَلْمَوْتُ فِی الْعِزِّ خَیْرٌ مِّنَ الْحَیٰوۃِ فِی الذِّلِّ" یعنی ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ اور خیال رہے

کہ امام حسینؑ کے تصور اور نظریئے کے مطابق حفاظتِ اسلام کی خاطر ظاہری شکست یعنی ذلت بھی عزت ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :- سانس = مراد اطمینان کی سانس۔ رشتۂ شاہی = مراد اسلام اور شاہی یعنی حکومت کا باہمی تعلق۔ کلائی = ہاتھ کا اگلا حصہ۔ مروڑنا = بل دے کر موڑنا مراد بے طاقت کر دینا۔

رواں مطلب :- امام حسینؑ نے مذہب اور حکومت کے ایسے رشتہ کو کہ حکومت مذہب پر حاوی رہے اور مذہب حکومت کے تابع رہے توڑ کر ہی اطمینان کا سانس لیا۔ اور اس طرح آپ نے اپنا نام ہمیشہ کے لئے باقی رکھ کر حیات ابدی حاصل کر لی۔ گویا آپ نے اپنی حرکت سے موت کو اس طرح بے بس کر دیا جیسے کسی انسان کی کلائی مروڑ دی جائے تو وہ بے طاقت ہو جاتا ہے۔

---

(۳۹)

جو مرگ و زندگی کا ہے اک طرفہ امتزاج
جس کی جبیں پہ کج ہے خود اپنے لہو کا تاج
جس کے لہو نے رکھ لی تمام انبیاء کی لاج
سر دے دیا، مگر نہ دیا ظلم کو خراج
سنتا نہ کوئی دہر میں صدق و صفا کی بات
جس مردِ سرفروش نے رکھ لی "خدا" کی بات

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: جبیں = پیشانی یا ماتھا۔ مراد سر جس پر تاجِ شاہی پہنا جاتا ہے۔ کج ہونا = لفظی معنی ٹیڑھا ہونا۔ محاورے میں فخریہ انداز سے سر پر (ٹوپی یا تاج) رکھنا۔ مرگ = موت۔ طرفہ = عجیب، پسندیدہ۔

امتزاج = میل، ایک دوسرے میں ملا ہونا۔

رواں مطلب: شہید ہونے سے امام حسینؑ کی پیشانی خود آپ کے اپنے لہو سے تر ہو گئی لیکن اس سے آپ کو ایسی عزت حاصل ہو گئی گویا آپ کے سر مبارک پر آپ کا لہو تاج کی مانند ہے جس میں ظاہری یعنی دنیوی موت اور ابدی زندگی نہایت عجیب اور حسین انداز سے ملی ہوئی ہیں۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- ظلم = مراد ظالم حاکم وقت۔ خراج دینا = مراد حاکمیت قبول کر لینا۔ لہو = مراد شہادت۔ لاج = عزت آبرو۔ لاج رکھنا = عزت قائم رکھنا۔

رواں مطلب:- امام حسینؑ نے شہادت گوارا فرمائی لیکن ظالم کی اطاعت قبول نہیں کی۔ اور اس طرح آپ کے عظیم کارنامہ کی بدولت تمام نبیوں کی عزت قائم رہ گئی جو برابر دین کی خاطر مصائب و تکالیف کا مقابلہ کرتے رہے تھے کیونکہ اگر امام علیہ السلام بے دینی کا مقابلہ کرنے کے بجائے ظالم (گویا بے دین) حاکم کی اطاعت قبول کر کے اس کو دین پر حاوی مان لیتے تو گویا دین کی شکست تھی اور نتیجۃً تمام نبیوں کی عزت خاک میں مل جاتی۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: دہر = زمانہ گویا دنیا۔ صدق = سچائی۔ صفا = ضمیر یا طبیعت کی پاکیزگی۔ صدق و صفا = مراد ایمان کیونکہ

ایمان کا مطمح نظر یا مقصد اقصیٰ بھی انسانی طبیعت و شخصیت کا نکھار یہی ہے جس کو انگریزی میں highest development of human personality کہا گیا ہے۔ سرفروش = لفظی معنی سر بیچنے والا۔ گویا کسی اچھے یعنی بلند مقصد کے لئے جان کی قربانی دینے والا خدا کی بات۔ مراد اللہ کا دین۔ بات رکھنا = مقصد پورا کرنا

رواں مطلب: اگر امام حسین علیہ السلام شہادت قبول کرنے کے بجائے حاکم وقت کی اطاعت کرلیتے تو حق و ایمان کا ذکر و سبق بالکل بھلا دیا جاتا۔ گویا شہادت پاکر یعنی اپنا سر دے کر امام علیہ السلام نے اللہ کے دین کو بچالیا اور اس طرح اللہ کا مقصد پورا کر دیا۔

---

(۴۰)

ہر چند اہلِ جور نے چاہا یہ بارہا
ہوجائے محو، یادِ شہیدانِ کربلا
باقی رہے نہ نام زمیں پر حسینؑ کا
لیکن کسی کا زور عزیزو نہ چل سکا
عباسؑ نامور کے لہو سے دُھلا ہوا
اب بھی حُسینیت کا علم ہے کھُلا ہوا

اس بند کے چھ‌وں مصرعے آپس میں مربوط ہیں اس طرح کہ پہلے تین مصرعے شرط ہیں اور باقی تین مصرعے شرط کی جزا ہیں۔ اس لئے مطلب پورے بند کا ایک ساتھ بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرح الفاظ:۔ ہر چند = گو کہ۔ جور = ظلم۔ اہلِ جور = ظلم والے

یعنی ظالم لوگ۔ باربا = بار کی جمع فارسی طریقہ سے معنی کئی بار۔ محو ہوجانا = مٹ جانا۔ شہیداں = شہید کی جمع فارسی طریقہ سے۔ شہیدانِ کربلا = کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے والے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- نہ ہو چلنے = کامیابی حاصل ہونا۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :- نامور = معزز، مرتبہ والا۔ لہو = خون۔ دُھلا ہوا = (خون میں) تربتر۔ خوب بھیگا ہوا۔ حسینیت = امام حسینؑ کا پیام و اصول زندگی۔ علم = جھنڈا جو جنگ میں بلند کیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ روزِ عاشورا امام حسینؑ نے جنگ کا علم اپنے بھائی حضرت عباس بن علیؑ کو دیا تھا۔ اسی لئے حضرت عباس علمدارِ حسینی اور کربلا سے مخصوص ادب میں علمدار کہلاتے ہیں۔ کھلا ہوا = موجود ہے۔

بند کا رواں مطلب: گو کہ اہلِ ظلم یعنی (حسینیت کے) دشمنوں نے بہت کوشش کہ کربلا کے شہیدوں کی یاد مٹ جائے یعنی واقعہ کربلا کا ذکر نہ ہوا کرے کسی کو کامیابی نہ ہوئی بلکہ باوجود اس کے کہ حضرت عباس شہید ہوگئے اور آپ کا علم آپ ہی کے خون میں تر ہوگیا لیکن وہ علم اب بھی کھلا ہوا ہے اور امامؑ کا پیغامِ حق و صداقت جسکی وہ علم نشانی ہے اب بھی قائم ہے۔

یہ صبحِ انقلاب کی جو آج کل ہے ضَو | یہ جو مچل رہی ہے صَبا پھٹ رہی ہے پَو
یہ جو چراغِ ظلم کی تھرا رہی ہے لَو | (۴۱) درپردہ یہ حسینؑ کے انفاس کی ہے رَو

حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز، دوستو
یہ بھی اُسی جری کی ہے آواز، دوستو

اس بند کے پہلے دو شعر اس طرح مربوط ہیں کہ پہلا شعر مبتدا Subject ہے اور دوسرا خبر Predicate ہے۔ اس لئے پہلے دو شعروں کا مطلب ایک ساتھ بیان ہوگا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- صبحِ انقلاب = انقلاب کی ابتداء۔ یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ انقلاب کو صبح سے (جو دن کی ابتدا مانی جاتی ہے) تشبیہہ دی ہے۔ ضَو = روشنی۔ صبا = ہوا۔ پو صبح نمودار ہونے لگی ہے۔ کی اولین روشنی۔ پو پھٹنا = صبح کی اولین روشنی کا نمودار ہونا۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: چراغِ ظلم = یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ ظلم کو چراغ سے تشبیہہ دے کر اسکی لو کے تھرّانے کا ذکر کیا گیا جس طرح بجھتے ہوئے چراغ کی لو تھرانے لگتی ہے۔ انفاس = جمع ہے نَفَس کی معنی سانس۔ خیال رہے کہ نَفَس (جمع انفاس) اور نَفس (جمع نفوس) دو علحدہ علحدہ لفظ ہیں۔ نَفَس کے معنی سانس اور نَفس کے معنی روح، ذات، ہستی ہیں۔ رَو = لہر

دونوں شعروں کا رواں مطلب: یہ جو آج کل انقلاب کی ابتداء نظر آرہی ہے

اور صبح کی لو کی مانند انقلاب کی ابتدائی روشنی نمودار ہو رہی ہے یہ

سب امام حسینؑ کے اقدام اور کارنامۂ شہادت کا اثر ہے

معلوم ہوتا کہ یہاں اس انقلاب کی طرف اشارہ ہے جو ۱۹۴۰ء کے عرصے

کے ابتدائی ایام میں متحدہ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے خلاف

اٹھایا جا رہا تھا اور انگریزوں سے "ہندوستان چھوڑ دو"

کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ ساز = نغمہ۔ جری = بہادر۔ آواز = مراد کارنامہ کا اثر

رواں مطلب :۔ یہ جواب حق کے نام سے عوامی انصاف ومساوات کی باتیں ہونے لگی ہیں یہ بھی اسی بہادر یعنی امام حسینؑ کے کارنامۂ شہادت کا اثر ہے۔

---

(۴۲)

جس کا ہجوم درد و الم سے یہ حال تھا
سینہ تھا پاش پاش، جگر پائمال تھا

رُخ پر تھا تشنگی کا دھواں دل نڈھال تھا
اس کرب میں بھی جس کو فقط یہ خیال تھا

آتش برس رہی ہے تو برسے خیام پر

آنے نہ پائے آنچ مگر حق کے نام پر

پہلا شعر: شرحِ الفاظ :۔ ہجوم = حملہ ۔کثرت۔ الم = تکلیف۔

پاش پاش = ٹکڑے ٹکڑے۔ پائمال = روندا ہوا۔

رواں مطلب :۔ اس شعر میں شہادت (یعنی قتل کیے جانے) سے پہلے کی امام علیہ السلام کی

کیفیت دکھائی گئی ہے۔ یعنی کہ آپ پر رنج و غم اور تکالیف کی اس قدر کثرت تھی کہ گویا آپ کا سینہ ٹکڑے ٹکڑے اور جگر تیروں سے چھلا ہوا تھا۔ خیال رہے کہ اردو (اور فارسی) محاورہ ادب میں رنج و غم وغیرہ میں جگر اور دل کو متاثر ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ :۔ رُخ = چہرہ۔ تشنگی = پیاس۔ نڈھال = بے طاقت

کرب = بے چینی، تکلیف۔ فقط = صرف

اس شعر کا مطلب تیسرے شعر سے مل کر پورا ہوگا

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ : آتش = آگ۔ آتش برسنا = مصیبت آنا۔ خیام = جمع خیمہ کی۔

رواں مطلب :۔ گو امام حسین ع پر پیاس کا غلبہ تھا اور آپ کے دل کی طاقت زائل ہو چکی تھی لیکن پھر بھی آپ کو یہ فکر لاحق تھی کہ خواہ خیموں (یعنی اہل حرم) پر سخت مصیبت آئے لیکن اسلام کو نقصان نہ ہونے پائے۔

اس شعر میں "آتش برس رہی ہے تو پھر سے خیام پر" کے فقرے میں اس تاریخی حقیقت کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ امام علیہ السلام اور تمام اعزا و انصار کے شہید کئے جانے کے بعد آپ کے خیموں میں آگ لگا دی گئی تھی۔

---

(۴۳)

ہر چند ایک شاخ، چمن میں ہری نہ تھی | ماتھا عرق عرق تھا، لبوں پر تری نہ تھی
باطل کی ان بلاؤں پہ بھی چاکری نہ تھی | یہ داوری تھی اصل میں پیغمبری نہ تھی

رنگ اُڑ گیا حکومتِ بدعت شعار کا
عزمِ حسینؑ، عزم تھا پروردگار کا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ عرق عرق ہونا = پسینہ میں تر ہونا۔ لبوں = جمع لب کی یعنی طریقہ سے یعنی ہونٹ۔

رواں مطلب:۔ امام حسین علیہ السلام کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے سوکھا ہوا چمن جس (کے کسی درخت) کی کوئی شاخ ہری نہ تھی (یعنی اگر امامؑ کو چمن مان لیا جائے تو آپکی کوئی شاخ ہری نہ تھی یعنی سب عزیز و اقرباء شہید ہو چکے تھے۔ آپ خود پسینہ میں تر تھے۔ لیکن پیاس کے باعث آپکے ہونٹ بالکل خشک تھے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ باطل = مراد اہلِ باطل یعنی امامؑ کے مخالف افراد۔ چاکری یعنی اطاعت۔ داوری = خدائی طرز۔

رواں مطلب:۔ اہلِ باطل کی طرف سے عائد کی ہوئی امتحان لیوا مصیبتوں کے باوجود امامؑ نے باطل کی اطاعت قبول نہیں کی۔ یہ صرف پیغمبروں جیسا عمل نہ تھا بلکہ اس کو خدائی عمل کہا جانا چاہیئے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: رنگ اُڑ جانا = ساکھ یا وقعت کا ختم ہو جانا۔ حکومتِ بدعت شعار = مخالفِ اسلام حرکتیں کرنے والی حکومت۔ عزم = ارادہ

رواں مطلب: امام حسینؑ کے پختہ ارادہ (اور اقدام) کے نتیجہ میں حکومتِ وقت کی جو سراسر مخالفتِ اسلام حرکتیں کر رہی تھی ساکھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ امام علیہ السلام اپنے ارادہ میں ایسے پختہ رہے گویا آپ کا ارادہ اللہ کا ارادہ ہو۔ یہ قرآن کریم کی سورۂ ھل اتیٰ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اہل بیت اطہار سے خطاب کر کے اللہ کہتا ہے " وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ یعنی (اے اہل بیت) آپ وہی ارادہ کرتے ہیں جو اللہ ارادہ کرتا ہے۔

---

(۴۴)

انصارِ سرفروش کی لاش، اقربا کی لاش
تھی جس کے دوشِ پاک پہ اہلِ ولا کی لاش
قاسمؑ سے شاہزادۂ گلگوں قبا کی لاش
عباسؑ سے مجاہدِ تیغ آزما کی لاش
پھر بھی یہ دھن تھی صبر کی زلفوں سے بل نہ جائے
اس خوف سے کہ حق کا جنازہ نکل نہ جائے

اس پورے بند کا مطلب ایک ساتھ ہی بیان ہوگا کیونکہ یہ تینوں شعر ایک جملہ شرطیہ ہیں۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: دوش = کاندھا۔ اہلِ ولا = محبت والے انصار۔ اقربا = قرابت دار، رشتہ دار

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: مجاہد = جہاد (دین کی خاطر جنگ) کرنے والا۔ تیغ آزما = تلوار چلانے والا۔ گلگوں قبا = مصلوں کے مانند لباس والا۔ کربلائی ادب میں گلگوں قبا حضرت قاسم بن حسن کا لقب سا پڑ گیا ہے، جیسے حضرت علی اکبر کا شبیہِ پیغمبر، حضرت عباس کا علمدار یا سقائے حرم۔ امام زین العابدینؑ کا بیمارِ کربلا حضرت علی اصغر کا بے شیر، شش ماہہ اور جناب امام حسین علیہ السلام کا

سید الشہداء۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ دُھن = نہ بدلنے والی خواہش ۔ جو ضد یا ضد کی حد تک ہو۔

بند کا رواں مطلب : اس بند میں روزِ عاشورا امام حسینؑ کی اپنی شہادت سے پہلے مصروفیت کا حال بیان ہوا ہے ۔ یعنی یہ کہ جوں جوں آپ کے انصار اور اعزا قتل ہونے جاتے تھے آپ ہر ایک لاش قتل گاہ سے اٹھا کر اپنے خیموں میں لاتے رہتے تھے ۔ انصار کے بعد اعزا و اقربا شہید ہونا شروع ہوئے تو انکی لاشیں لاتے رہے ۔ شاعر نے مثالاً حضرت عباس اور حضرت قاسم کے نام لئے ہیں ۔ لیکن جانکاہ اور صبر آزما مصروفیت کے باوجود امامؑ کے صبر و شکیب میں کمی نہ تھی خاص کر اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ جس مقصد یعنی بقاء اسلام کی خاطر یہ معرکہ انجام دیا جا رہا تھا وہ ضائع ہو جائے۔

---

(۴۵)

زار و نزار و تشنہ و مجروح و ناتواں
تنہا کھڑا ہوا تھا جو لاکھوں کے درمیاں

گھیرے تھے جس کو تیر و تبر ناوک و سناں
اور سو رہا تھا موت کے بستر پہ کارواں

اتنا نہ تھا کہ حقِ رفاقت سے کام لے
گرنے لگیں اگر تو کوئی بڑھ کے تھام لے

اس پورے بند کا مطلب بھی ایک ساتھ بیان ہوگا

پہلا شعر : شرحِ الفاظ:۔ زار و نزار = نحیف و کمزور۔ تشنہ = پیاسا۔ مجروح = زخمی

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ تبر = بھالا۔ ناوک = تیر سناں = نیزہ، برچھی۔

سو رہا تھا = مراد یہ کہ سب انصار و اقارب شہید ہو جانے کے بعد بے جان پڑے تھے۔ کارواں = قافلہ مراد امامؑ کے انصار و اقارب۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: رفاقت = دوستی۔ کام لینا = مراد عمل کرنا، استعمال کرنا
رفاقت سے کام لے = رفاقت کے رشتہ کو استعمال کرے یعنی اس پر عمل کرے

بند کا رواں مطلب: اس بند میں بھی امام حسینؑ کی اپنی شہادت سے قبل کی کیفیت کا بیان جاری ہے۔ یعنی یہ کہ امامؑ اس وقت نہایت کمزور ہو چکے تھے پیاسے تھے زخمی تھے ناطاقت تھے۔ اور ہزاروں مسلح دشمنوں کے درمیان اکیلے کھڑے تھے۔ آپ کے انصار و اقارب سب شہید ہو چکے تھے۔ اور سب کے لاشے قتل گاہ میں بے جان پڑے تھے۔ آپ کا کوئی ساتھی موجود نہ تھا کہ اگر آپ گرنے لگیں تو سہارا دے کر گرنے سے بچا لے۔

ہاں وہ حسینؑ، خستہ و مجروح و ناتواں　　ساکت کھڑا ہوا تھا جو لاشوں کے درمیاں
(۴۶)
سنتا رہا سکون سے جو پیر نیم جاں　　اکبرؑ سے ماہ رو کی جوانی کی ہچکیاں
ہے ہے کی آ رہی تھی صدا کائنات سے
پھر بھی قدم ہٹائے نہ راہِ ثبات سے

یہ بند بھی پچھلے دو بندوں کا تسلسل ہے اس لئے اس کا مطلب ایک ساتھ ہی بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ خستہ = تھکا ہوا۔ مجروح = زخمی۔

ناتواں = ناطاقت، کمزور۔ ساکت = خاموش

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ سکون = اطمینان۔ پیر = بوڑھا۔ نیم جاں = آدھی قوت والا، نہایت ضعیف۔ ماہ = چاند۔ رُو = چہرہ

ماہ رُو = چاند ایسا چہرہ والا۔ حسین۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ صدا = آواز۔ کائنات سے = مراد ہر طرف سے

راہِ = راستہ ثبات = پختگی۔ راہِ ثبات = یہ اضافت تشبیہی ہے۔ ثبات یعنی (ارادہ کی) پختگی کو راستہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی لیے قدم ہٹنے کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ راستہ قدموں سے طے کیا جاتا ہے۔

بند کا رواں مطلب :- امام حسینؑ اپنے اعزا و انصار کی لاشوں کے درمیان، تھکان سے چور، زخمی اور خاموش کھڑے تھے۔ اسی عالم میں آپ نے حضرت علی اکبر کو زخمی ہوکر مرنے کی آخری حالت میں یعنی آخری ہچکیاں لیتے ہوئے بھی دیکھا۔ وہ وقت الٰہی، باپ کا جوان بیٹے کو مرتے دیکھنا ایسا تھا کہ امامؑ کو ہر طرف سے رونے کی آوازیں آتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں لیکن پھر بھی آپ اپنے ارادہ (یعنی حاکم وقت کی بیعت و اطاعت نہ کرنے کے ارادہ) پر پختگی سے قائم رہے۔

ہاں اے حسینؑ تشنہ و رنجور، السّلام
اے میہمانِ عرصۂ بے نور، السّلام
(۴۷)
اے شمعِ حلقۂ شبِ عاشور، السّلام
اے سینۂ حیات کے ناسور! السّلام

اے ساحلِ فرات کے پیاسے ترے نثار
اے آخری "نبیؐ" کے نواسے ترے نثار

اس بند میں امامؑ کو سلام کے ساتھ خطاب کرکے آپ کی متعدد خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

پہلا شعر:- شرحِ الفاظ:- تشنہ = پیاسا۔ رنجور = غم زدہ۔ میہمان = امام حسینؑ کو مہمان اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کو اہلِ کوفہ نے خط لکھ کر اور پیغام بھیج کر بلایا تھا۔ لیکن کوفہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے آپ کو کوفہ کے راستہ میں روک کر کربلا پہونچا دیا گیا۔ عرصہ = میدان۔ عرصۂ بے نور = مراد میدانِ کربلا۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- شمعِ حلقۂ شبِ عاشور = یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی جانب کہ شبِ عاشور امام حسینؑ نے اپنے اعزا و انصار کو جمع کرکے صاف صاف فرما دیا تھا کہ آنے والی صبح کو میری اور میرے ساتھ والوں کی موت (شہادت) یقینی ہے اس لئے تم سے جس کو موت قبول نہ ہو وہ مجھ کو چھوڑ کر چلا جائے۔ میں اجازت دیتا ہوں اور اپنی بیعت (یعنی مرتے دم تک میرا ساتھ دینے کی ذمہ داری) تم پر سے اٹھائے لیتا ہوں۔

اس وقت تمام اعزا و انصار نے نہایت والہانہ انداز میں امامؑ پر پروانہ وار جان نثار کر دینے کا حتمی وعدہ کیا تھا گویا اس موقع پر امامؑ شمع تھے اور اعزا و انصار پروانے تھے۔

سینۂ حیات = یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ حیات کو استعارۃً جسمِ انسانی سے تشبیہ دی گئی ہے اور جسم کے اہم حصّہ سینہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناسور = بہتے رہنے والا زخم۔ یہ دیکھنے کی بات ہے کہ امامؑ کو ناسور کیوں کہا گیا ہے۔ کیونکہ کسی محترم فرد کو ناسور کہنا تہذیبِ کلام کی رو سے

سے مستحسن نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن غور کیا جائے تو صاحبان معرفت کے لیے امام ع کی شہادت کا واقعہ اپنی جملہ تفصیلات اور بعد شہادت امام ع کی مخدرات پر ڈھائے ہوئے مظالم کے باعث اس استمرار سے موجب رنج و غم ہے کہ اسے بہتے ہوئے ناسور سے تشبیہ دینا بلاغت کلام کا نادر الوجود نمونہ ہو جاتا ہے۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ :- فرات: عراق کا مشہور دریا جس کے کنارے کربلا کا میدان کارزار واقع تھا۔ اور اب کربلا کا "مقدس" شہر واقع ہے۔ مقدس اس لئے کہ وہیں امام ع اور دیگر شہدائے کربلا دفن ہیں۔

ترے نثار :- یہ کسی فرد سے انتہائی محبت کے اظہار کا عام طریقہ ہے کہ کہا جائے "میں ترے نثار" یعنی تیری حفاظت کی خاطر میں اپنی جان دینے کو تیار رہوں۔ حالانکہ امام حسین علیہ السلام کے شہید ہو جانے کے بعد ان پر نثار ہونے کا ذکر بے محل ہے لیکن اظہار محبت و عقیدت کے لئے محاورہ کلام اب بھی قائم ہے بلکہ متعدد مناسب موقعوں پر امام ع کو مخاطب کر کے عقیدتمند افراد اب بھی کہتے ہیں "یا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ یعنی کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا (ہوتی) اور آپ پر نثار ہو کر شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہوتا (ہوتی)۔

ان تشریحات کے بعد بند کا مطلب صاف ہے

ہاں اے حسینؑ بیکس و ناچار، السّلام! اے کشتگانِ عشق کے سردار، السّلام

(۴۸)

اے سوگوارِ یاور و انصار، السّلام اے کاروانِ مُردہ کے سالار، السّلام

افسوس اے وطن سے نکالے ہوئے حسینؑ

اے فاطمہؑ کی گود کے پالے ہوئے حسینؑ

اس بند میں بھی امام علیہ السلام کو سلام کے ذریعہ مخاطب کر کے آپ کی متعدد خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

پہلا شعر:۔ شرحِ الفاظ:۔ بیکس = جس کا ساتھی نہ ہو۔ ناچار = جس کے پاس ضروری سامان نہ ہو۔ کشتگان = جمع کشتہ کی فارسی طریقہ سے معنی قتل کئے ہوئے۔ عشق = مراد اسلام۔ کشتگانِ عشق = اسلام کی خاطر جان دینے والے۔ سردار = یعنی امام حسینؑ۔

رواں مطلب:۔ اے حسینؑ آپ پر سلام ہو کہ آپ نے مناسب اور ضروری ساتھیوں اور سامان کے نہ ہوتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اور آپ پر سلام ہو کہ آپ اسلام سے عشق کی بدولت شہید کئے جانے والوں کے سردار تھے

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ سوگوار = غم اٹھائے ہوئے۔ یاور و انصار = ساتھی اور مدد کرنے والے۔ کاروان = قافلہ۔ مردہ = شہید کئے ہوئے۔ سالار = سردار

تیسرا شعر۔ ان دونوں شعروں کا مطلب صاف ہے۔

(۴۹)

تو، اور تیرے حلق پہ تلوار، ہائے ہائے
زنجیر اور عابدِ بیمار، ہائے ہائے
زینبؑ کا سر کھلے، سرِ بازار ہائے ہائے
سر تیرا اور یزید کا دربار ہائے ہائے
انسان، اس طرح اُتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تک ابنِ زیاد پر

اس بند میں امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہلِ خاندان پر ڈھائے گئے مصائب کا ذکر کرتے اظہارِ غم و افسوس کیا گیا ہے۔ مطلب صاف ہے۔ صرف تلمیحات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

پہلا شعر:۔ شرحِ الفاظ:۔ تو اور تیرے حلق پہ اس فقرے میں اشارہ ہے امام حسینؑ کے عظیم مرتبہ کی جانب۔ کیونکہ نہ صرف رسولِ خداؐ کے اسوقت تنہا نواسے تھے بلکہ دینِ اسلام کے سب سے عظیم المرتبت سربراہ تھے۔

زنجیر اور عابدِ بیمار:۔ یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی جانب کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپکے فرزند امام زین العابدینؑ کو جو بیمار تھے گرفتار کر کے زنجیر پہنا دی گئی تھی۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ پہلے مصرع میں امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپکی بہن جناب زینب بنت علیؑ و فاطمہؑ کو جو اسوقت خاندانِ نبوی کی نمائندہ خاتون تھیں گرفتار کر کے کھلے سر جو اس زمانہ کے معاشرے میں کسی عورت کی تحقیر کا طریقہ تھا کوفہ و شام کے بازاروں میں پھرائے جانے کا ذکر ہے دوسرے مصرع میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ امام حسینؑ کے قتل کے بعد آپ

کا سر مبارک خلیفہ وقت یزید بن معاویہ کے سامنے دربار میں بطور تحقیر پیش کیا گیا۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: عناد = دشمنی۔ ابن زیاد = یعنی عبیداللہ بن زیاد جو خلیفہ وقت یزید بن معاویہ کی طرف سے عراق اور کوفہ دونوں علاقوں کا گورنر تھا اور واقعہ کربلا اسی کے احکام اور تدبیر سے رو بہ عمل آیا۔ اسی لئے اس کو قابل لعنت قرار دیا گیا ہے۔

---

(۵۰)

تجھ سا شہید کون ہے عالم میں اے حسینؑ
تو ہے ہر ایک دیدۂ پُرنم میں اے حسینؑ
زُہاد ہی نہیں ہیں ترے غم میں اے حسینؑ
ہم رند بھی ہیں حلقۂ ماتم میں اے حسینؑ

آزاد جو خیال میں ہیں اور کلام میں
وہ بھی اسیر ہیں تری زلفوں کے دام میں

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: کون ہے = یہ استفہام انکاریہ ہے۔ یعنی سوال کے ذریعہ انکار کیا گیا ہے۔ گویا کہنا یہ ہے کہ کوئی ایسا نہیں ہے۔ دیدہ = آنکھ پُرنم = آنسوؤں سے بھیگی ہوئی۔ گویا روتی ہوئی۔

رواں مطلب:- اے حسینؑ دنیا میں آپ جیسا (پُر مصائب) شہید کوئی اور نہیں ہے اسی لئے ہر (باخبر و معرفت) آنکھ آپ کے غم میں آنسو بہا رہی ہے

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- زُہاد = جمع زاہد کی معنی، وہ افراد جو دنیا کی ظاہری لذتوں سے دور اور دینی مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ رند = شراب پینے والے = حلقہ = مراد گروہ۔ ماتم = مراد اہل ماتم

دوسرا مطلب: شاعر نے امام کو خطاب کرکے کہا ہے کہ اے امام صرف وہی افراد آپ کے مصائب پر غم زدہ نہیں ہیں جو دنیا کو ترک کرکے دین میں منہمک ہیں بلکہ ہم (یہ شاعر نے اپنے آپ کو کہہ کر سب آزاد روش افراد مراد لئے ہیں) شراب میں مست رہنے والے بھی آپ کے غم میں ماتم کناں ہیں۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: خیال = سوچنے کا طرز۔ کلام = بیان کرنا۔ اسیر = گرفتار۔ زلفوں = جمع زلف کی ہندی طریقہ سے، یعنی بالوں کی لٹ۔ عام طور پر اردو (اور فارسی) ادب میں زلف سے اشارہ معشوق کی زلف سے ہوتا ہے اور عاشق کو اسیرِ زلف کہا جاتا ہے۔

دوسرا مطلب: وہ افراد بھی جو مذہبی عقائد کے بارے میں اور ان کے بیان کرنے میں آزاد خیال ہیں وہ بھی اے امام آپ سے عقیدت ضرور رکھتے ہیں اور آپ کی محبت میں گرفتار ہیں۔

یوں تو درونِ سینۂ تاریخ روزگار
دولت ہے بے حساب، جواہر ہیں بے شمار
(۵۱)
لیکن ترا وجود ہے اے مردِ حق شعار
عزمِ بشر کی واحد و بے مثل یادگار
یکتا ہے تجھ کو وقتِ جہاں سوز دور سے
تو ہے بلند، ضربِ سنین و شہور سے

اس بند کے پہلے دو شعر شرط و صلہ کے طور پر مربوط ہیں۔ پہلا شعر شرط اور دوسرا صلہ ہے اس لئے دونوں شعروں کا مطلب ملا کر بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- درون = اندر۔ تاریخ روزگار = دنیا کی تاریخ۔
سینۂ تاریخ = یہ اضافت تشبیہی ہے: تاریخ کو انسان کے سینہ سے تشبیہہ دی گئی ہے جس طرح محاورہ کے مطابق انسان کے سینہ (گویا حافظہ) میں واقعات محفوظ رہتے ہیں اسی طرح تاریخ میں بھی محفوظ رہتے ہیں۔
دولت = مراد بڑے بڑے اہم واقعات اور عظیم افراد کے کارنامے۔
جواہر = جمع جوہر کی معنی موتی۔ مراد نامور ہستیوں کی سرگزشت اور کارناموں کا ذکر۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- وجود = مراد زندگی۔ شعار = طریقہ کار۔
حق شعار = دین کے طریقہ پر عمل کرنے والا۔ گویا دیندار۔
عزم = ارادہ۔ بشر = انسان۔
دونوں شعروں کا رواں مطلب: گو کہ دنیا کی تاریخ میں ان گنت اہم واقعات اور نامور افراد کے کارنامے اور سرگزشتیں درج ہیں لیکن اے حسین آپ ایسے پختہ ارادہ والے انسان کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:- تکنا = غور یا تعجب سے دیکھنا۔ جہان = دنیا
سوز = جلا دینے والا۔ جہاں سوز = دنیا کی ہر شے کو مٹا دینے والا۔ بلند = مراد زیادہ بلند۔ ضرب = مار، چوٹ، مٹا دینے یا اہمیت کم کر دینے کی تاثیر۔ سنین = جمع سنہ کی معنی سال۔ شہور = جمع شہر کی معنی مہینہ۔
رواں مطلب:- اے حسین گو وقت دنیا کی ہر شے کو مٹاتا رہتا ہے لیکن زمانہ آپ

کو فنا کرنے کے لئے دور سے (حسرت سے) تکتا رہتا ہے مگر فنا نہیں کر سکتا کیونکہ آپ نے اپنے عزم کے ذریعہ شہادت سے ایسی حیثیت حاصل کر لی ہے کہ آپ (گزرتے ہوئے) مہینوں اور سالوں کی چوٹ سے بہت بلند ہو گئے ہیں۔

---

(۵۲)

اس باغِ دہر میں پے تفسیر رنگ و بو — یوں تو ہے ہر روش پہ اک انبار گفتگو

لیکن برائے گوشِ حکیمانِ رازجُو — عالم میں صرف اک سخن گفتنی ہے تو

مردانگی کے طُور کا تنہا کلیم ہے

تو سینۂ حیات کا قلبِ سلیم ہے

اس بند کے تینوں شعر آپس میں التزام اور صلہ کے طور پر مربوط ہیں اس لئے پورے بند کا رواں مطلب ملا کر بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: دہر = زمانہ باغِ دہر = یہ اضافت تشبیہی ہے، دہر کو باغ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ پے = برائے = کے لئے۔ تفسیر = شرح، کھول کر بیان کرنا۔ رنگ و بو = مراد قسم قسم کی موجودات۔ روش = راستہ، چمن میں پودوں کی قطار انبار = ڈھیر

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: گوش = کان۔ حکیمان = جمع حکیم کی فارسی طریقہ سے بمعنی دانشور، مفکر۔ رازجو = علمی راز تلاش کرنے والے محقق

انگریزی زبان میں ریسرچ اسکالر۔ عالم = دنیا سخن گفتنی = باتوں میں زیرِ ذکر آنے والا۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ: مردانگی = مراد عالی رتبہ انسانی خواص۔ طور = وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰ پیغمبر ایک آواز کے ذریعہ اللہ سے ہمکلام ہوئے

کلیم = حضرت موسیٰ کا لقب جو اللہ سے ہمکلام ہونے کے باعث اُن سے مخصوص ہے۔ مردانگی کا طور = یہ اضافتِ تشبیہی ہے، مردانگی کو طور سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ سینۂ حیات = یہ بھی اضافتِ تشبیہی ہے۔ حیات (یعنی زندگی کو استعارۃً انسان سے تشبیہہ دے کر سینہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ قلب = مراد قوتِ سخور۔ سلیم = صاف، پاکیزہ، بے عیب۔

بند کا رواں مطلب :- اے حسین یوں تو دنیا میں قسم قسم کی موجودات کے بارے میں بکثرت معلومات ہیں لیکن دانشوروں کے حلقوں میں آپ ہی کی ذات محورِ گفتگو رہا کرتی ہے۔ اگر بلند انسانی خصوصیات کو کوہِ طور مانا جائے تو آپ کی حیثیت حضرت موسیٰ کی سی ہوگی جن کے باعث طور دوسرے تمام پہاڑوں میں قابلِ شرف ہوگیا۔ یا اگر انسانی زندگی کو سینہ کہا جائے تو آپ اس کا پاکیزہ دل ہیں۔



اے رہبرِ خجستہ و اے ہادیٔ غیور ! تو حافظے کا ناز ہے، تاریخ کا غرور
(۵۳)
اب بھی ترے نشانِ قدم سے ہے وہ سرور لوحِ جبینِ وقت پہ غلطاں ہے موجِ نور

تو ہے وہ مہر، دفترِ عزم و ثبات پر
اب تک دمک رہی ہے جو پشتِ حیات پر

پہلا شعر: شرحِ الفاظ :- خجستہ = مبارک - غیور = غیرت مند - حافظہ = مراد اہلِ حافظہ یعنی یاد رکھنے والے - تاریخ کا = مراد تمام گزرتی ہوئی نسلوں کا۔
غرور = فخر -

رواں مطلب : اے حسین آپ مبارک رہبر اور غیرتمند ہادی تھے آپ یاد رکھنے والوں کے لئے باعث ناز اور تاریخ یعنی تمام گزری ہوئی اور آنے والی نسلوں کے لئے باعث غرور رہیں۔

دیکھنا چاہئے کہ امامؑ خجستہ، غیور اور اہل حافظہ اور تاریخ کے لئے باعث نازو فخر و غرور کس لئے کہا گیا ہے۔ ظاہراً خجستہ اس لئے کہا ہے کہ آپ کا کارنامہ شہادت انسانیت کے لئے چشمۂ ہدایت ہے۔ غیور اس لئے کہا ہے کہ جب آپ سے خلیفۂ وقت یزید بن معاویہ نے اپنے حق میں بیعت طلب کی تو آپ نے نبی اکرمؐ کا نواسہ اور اس وقت دینی سربراہی کے لئے آنحضرت رسول خداؐ کا واحد نمائندہ ہونے کی حیثیت سے یزید ایسے فرد کی بیعت کرنا من جملہ دیگر وجوہ کے غیرت نفس کے بھی منافی پایا۔ اہل حافظہ اور تاریخ کے لئے باعث نازو فخر اس لئے کہا گیا ہے کہ ابتدائے حیات انسانی

سے قابلِ فخر انسانی کارنامے یا افراد کے حافظہ میں محفوظ رہتے آئے ہیں یا تاریخ میں مرقوم ہیں۔ بہرصورت امام حسینؑ کا کارنامۂ شہادت انسانیت کے لئے ایسا باعثِ فخر و قابلِ یادداشتنی ہے کہ حافظہ اور تاریخ دونوں اس پر فخر کر سکتے ہیں۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ :- سرور = مسرت۔ لوح = تختی۔ جبین = پیشانی۔ لوحِ جبینِ وقت = یہ دوہری اضافتِ تشبیہی ہے یعنی وقت کو استعارۃً انسان سے تشبیہہ دے کر جبین (پیشانی) کا ذکر کیا گیا ہے اور جبین کو لوح (تختی) سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ غلطاں = پھرا رہی۔ موجِ نور = مراد ہدایت کے طریقے۔

رواں مطلب : اے حسین آپ دنیا میں ایسے نشانِ قدم چھوڑ گئے ہیں جو اب بھی سرور بخش رہے ہیں اور یہ وقت انسانوں کی ہدایت کے لئے نور کی لہروں کی مانند گردش ہیں

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :- مُہر = کسی نوشتہ کے اختتام پر کیا جانے والا مقررہ شکل کا نشان جو نوشتہ کے صحیح اور ناقابلِ ترمیم، اضافہ یا تنسیخ ہونے کی دلیل مانا جاتا ہے دفتر = کتاب یا نوشتہ۔ عزم = پختہ ارادہ۔ ثبات = قائم رہنا دمک رہی ہے = چمک رہی ہے۔ پشتِ حیات = یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ حیات کو استعارۃً انسان سے تشبیہہ دے کر پشت کا ذکر کیا گیا ہے

اس شعر کے پہلے مصرع میں مُہر اور دوسرے میں پشت کا ذکر

ظاہراً اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ معروف عقیدے کے مطابق آنحضرت رسول خداؐ کی پشتِ مبارک مُہرِ نبوت ثبت تھی جس سے نور دمکتا رہتا تھا۔

رواں مطلب:۔ اے حسینؑ آپ کا کارنامۂ شہادت انسان کے خاصۂ عزم و ثبات پر مہر کی مانند ہے کہ اب اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں ہے اور وہ مُہرِ حیاتِ انسانی کی پشت پر آج تک دمک رہی ہے اور انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔

---

(۵۴)

ہاں اے حسینؑ : ابن علیؑ، رہبرِ انام — اے منبرِ خودی کے حیات آفریں پیام
اے نطقِ زندگی کے مقدس ترین نام — اے چرخِ انقلاب کے ابرِ جواں خرام

غازہ ہے تیرا خون، رُخِ کائنات کا
ہر قطرہ "کوہِ نور" ہے تاجِ حیات کا

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ منبر:۔ وہ بلند مقام جس پر بیٹھ کر تقریر کی جاتی ہے۔
خودی:۔ اپنی اہمیت کا احساس۔ منبرِ خودی:۔ یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ خودی کو منبر سے تشبیہہ دی گئی ہے یعنی جس طرح منبر پر سے تقریر یا اعلان کیا جاتا ہے اسی طرح خودی کے ذریعہ پیام دیا جا سکتا ہے۔
حیات آفریں:۔ زندگی بخشنے والا۔

رواں مطلب:۔ اے حسین ابن علیؑ، اے عوام کے قائد۔ اے خودی کی اہمیت جتاکر

انسان کو زندگی بخشنے والے ....

دوسرا شعر: شرح الفاظ :- نطق = قوت گویائی، بولنے کی قوت مراد اظہارِ خیال کی ہمت
مقدس = پاکیزہ، قابلِ احترام ۔ چرخ = آسمان ۔ انقلاب = عظیم تبدیلی
ابر = بادل ۔ جواں خرام = تازہ دم چلنے والا۔ مراد زور کی بارش لانے
والا۔

رواں مطلب :- اور اے وہ مقدس ترین نام جو انسان کی جرأتِ گویائی کو دیا جا سکے
اور اے زوردار بارش لانے والے بادل کی مانند انقلاب برپا کرنے والے

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :- غازہ = چہرہ کا حسن بڑھانے والی اشیاء۔ رخِ کائنات مرخِ کائنات
رخ کائنات = یہ اضافت تشبیہی ہے جس میں کائنات کو استعارۃً
انسان سے تشبیہ دے کر رخ (چہرہ) کا ذکر کیا گیا ہے۔
کوہ نور = دنیا کا عظیم ہیرا جو کسی زمانے میں ایران کے فرمانرواؤں
کے تاج میں تھا۔ پھر ہندوستان میں مغل شہنشاہوں کے قبضہ میں رہا
مگر اب بعد از انقلابات کے بعد انگریزی بادشاہوں کے تاج
میں بتایا جاتا ہے۔ تاجِ حیات = یہ اضافتِ تشبیہی ہے
اس طرح کہ حیات کو مجسم انسان مان کر اسکے لئے تاج کا ذکر
کیا گیا ہے۔

رواں مطلب :- شہادت کے ذریعہ بہے ہوئے آپ کے خون کا ہر قطرہ دنیا
کے چہرہ کا حسن بڑھا رہا ہے اور کوہ نور ہیرے کی مانند
انسانی زندگی کو پر رونق بخش رہا ہے۔

جس بحرِ ظلم وجود کے گرداب میں تھا تو
نازل پہاڑ پر ہو تو بن جائے آب جو
(۵۵)
سینے میں ابر کے نہ رہے روح رنگ و بو
آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگے لہو

یخ تک بہ رنگِ آتشِ دوزخ دہک پڑے
ماتھے سے آگ کے بھی پسینہ ٹپک پڑے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ :- بحر = سمندر۔ بحرِ ظلم وجور = یہ اضافتِ تشبیہی ہے ظلم وجور کو بحر (سمندر) سے تشبیہہ دے کر گرداب (بھنور) کا ذکر کیا گیا ہے۔ گرداب = بھنور بہتے پانی کا ایسا چکر جس میں پھنس کر نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ نازل ہونا = اوپر کی جانب سے نیچے کی طرف آنا۔ عام طور پر مصیبت کے واقع ہونے کو نازل ہونا کہا جاتا ہے۔

رواں مطلب :- اے حسین آپ چاروں طرف ایسے ظلم میں گھرے ہوئے تھے کہ اگر ایسا سخت ظلم پہاڑ پر واقع ہوتا تو وہ بھی گھل کر بہتے پانی کی مانند ہو جاتا۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ :- ابر = بادل مرادِ بارش۔ روح = خاصیت۔ رنگ و بو = اشارہ ہے بارش سے گھاس پتوں میں پیدا ہونے والی سبزی اور پھولوں میں پیدا ہونے والی خوشبو کی طرف۔

آہن = لوہا۔ جوہروں = جمع جوہر کی ہندی طریقہ پر۔ آہن کے جوہروں سے = مراد آہن (یعنی لوہے کی) اصلی یا خلقی خاصیت کے بجائے

لہو = گاڑھا خون

رواں مطلب :۔ یہ شعر پہلے شعر سے مربوط ہے بایں معنی کہ اس میں بھی ظلم کے اثر
کا بیان جاری ہے۔ یعنی یہ کہ ایسے ظلم کا بارش کے مینھ پر یہ
اثر ہو کہ اسکی (پودوں اور پھولوں میں) رنگ و بو پیدا کرنے کی
خاصیت زائل ہوجائے اور لو ہے پر ایسا اثر ہو کہ اسکی
خلقی سختی کے بجائے گوشت و پوست کی خاصیت پیدا
ہو کر اس میں سے خون بہنے لگے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :۔ یخ = برف بر رنگ = کے مانند ۔
آتشِ دوزخ = جہنم کی آگ ۔ دہکنا = تیز گرم ہونا۔
ماتھا = پیشانی ۔ آگ کا ماتھا = یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ آگ
کو استعارۃً انسان سے تشبیہہ دے کر ماتھے کا ذکر کیا ہے ۔

رواں مطلب :۔ اس شعر میں بھی سخت ظلم کے اثر کا بیان جاری ہے۔ شاعر کا
کہنا کہ ایسے ظلم کے اثر سے برف تو آتشِ جہنم کی مانند گرم
ہو جائے اور آگ کی خاصیت بدل کر اس سے پسینہ
ٹپکنے لگے۔

اے خنجر برہنہ، و لے تیغ بے نیام (۵۶) اے حق نواز امیر نبوت بدوش امام

اے تیرگی کی بزم میں خورشید کے پیام اے آسمانِ درسِ عمل کے مہ تمام

رہتی ردائے شام کی ظلمت ہی دین پر

ہوتا نہ تو، تو صبح نہ ہوتی زمین پر

اس بند کے تینوں شعر اس طرح مربوط ہیں کہ پہلے دو شعروں میں امامؑ سے آپ کی مختلف صفات بیان کر کے خطاب کیا گیا ہے اور تیسرے شعر میں بات کہی گئی ہے۔ اس لئے پورے بند کا مطلب ایک ساتھ بیان ہو سکیگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: خنجر = قتل کرنے کا چھری کے مانند ہتھیار۔ برہنہ = کھلا ہوا۔ تیغ = تلوار۔ نیام = خول جس میں تلوار رکھی جاتی ہے۔ بے نیام = نیام سے باہر نکلی ہوئی گویا کھلی ہوئی۔ اے خنجر برہنہ و اے تیغ بے نیام = یہ امام حسینؑ کو خطاب کیا ہے۔ انھیں خنجر برہنہ اس لئے کہا ہے کہ آپ نے اسوقت کی عظیم اسلامی مملکت کے خلیفہ یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کر کے اس سے براہ راست اور بلا جھجک ٹکر لی۔ حق نواز = حق کو سراہنے والے۔ سچ قول اور سچے وعدے پر قائم رہنے والے۔ امیر = سردار۔ نبوت = نبی کے عہدہ کی ذمہ داری۔ دوش = کاندھا۔ بر دوش = کاندھے پر اٹھائے ہوئے۔ نبوت بدوش = اپنے اوپر نبوتؐ کی سی ذمہ داری اٹھائے ہوئے۔

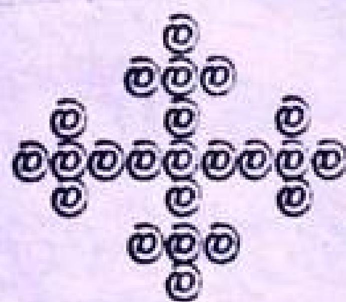
دوسرا شعر: شرحِ الفاظ: تیرگی = اندھیرا۔ بزم = محفل۔ تیرگی کی بزم = مراد ہے یہی

کی فضا۔ خورشید = آفتاب مراد دین پرستی۔ درس = سبق۔
مہِ تمام = پورا چاند۔ آسمانِ درسِ عمل کا مہِ تمام = اس مرکب میں دوہری اضافتِ تشبیہی ہے۔ ایک درس عمل کا آسمان اور دوسری اس آسمان کا مہِ تمام۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ رداء = چادر۔ شام = عراق سے متصل عربی ملک کا قدیم نام اب عرب والوں میں سوریہ اور یورپ کی قوموں میں سیریا کہلاتا ہے۔
ظلمات = اندھیرا، مراد بے دینی۔ صبح = مراد دین پرستی کی نمود یا ابتداء
زمین = مراد دنیا۔

بند کا رواں مطلب:۔ اے حسین آپ ظالم حکمراں کا مقابلہ کرنے میں کھلے ہوئے خنجر اور تیغ کی مانند تھے۔ آپ حق پروری میں نبوت کے عہدہ کی مانند ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ آپ نے بے دینی کی فضا میں آفتاب کی طرح ہدایت کی روشنی پھیلائی اور آپ نے (شہادت قبول فرماکر) اس طرح عملی اقدام کرنا سکھایا کہ آپ کو وہ حیثیت حاصل ہوگئی جو آسمان پر چاند کو ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ملک شام کے فرمانروا کی پھیلائی ہوئی بے دینی کا اندھیرا ایسا جاتا کہ دنیا میں کبھی دین کا اجالا نمودار نہ ہوتا۔





(۵۷)

پھر حق ہے، آفتاب لبِ بام اے حسینؑ — پھر بزم آب و گل میں ہے کہرام اے حسینؑ

پھر زندگی ہے سست و سبک گام اے حسینؑ — پھر حُریت ہے موردِ الزام اے حسینؑ

ذوقِ فساد و ولولۂ شر لئے ہوئے

پھر عصرِ نو کے شمر ہیں خنجر لئے ہوئے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- حق = مراد حقیقی دینِ اسلام۔ آفتابِ لبِ بام = غروب ہوتا ہوا آفتاب۔ یہ اس طرح کہ بام = کوٹھا۔ لبِ بام = کوٹھے کے کنارے پر اور غروب ہوتا ہوا آفتاب کوٹھے کے کنارے پر دکھائی دیتا ہے۔

آب = پانی۔ گِل = مٹی۔ آب و گِل = مراد انسان کیونکہ ایک نظریہ کے مطابق انسان کی تخلیق مٹی اور پانی سے ہوئی ہے۔ بزمِ آب و گِل = مراد دنیائے انسانیت۔ کہرام = چیخ پکار۔

رواں مطلب:- اب شاعر امام حسینؑ سے موجودہ زمانہ کے حالات کا ذکر کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ اے حسینؑ اس زمانہ میں بھی دینِ اسلام کا آفتاب غروب ہوتا معلوم ہو رہا ہے۔ یعنی زوال پذیر ہے۔ پھر دنیائے انسانیت میں چیخ پکار مچی ہوئی ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- سبک = ہلکا۔ گام = قدم۔ سبک قدم = ہلکے قدم ڈالی یعنی بمشکل گزرنے والی۔ حریت = آزادی۔ موردِ الزام = الزام دی جانے والی، قابلِ ملامت

رواں مطلب:- اے حسینؑ اب پھر زندگی مشکل سے گزر رہی ہے۔ اور آزادی قابلِ ملامت ہو رہی ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: ذوق = مزا، ذائقہ۔ فساد = گڑبڑ، بربادی۔ ولولہ = جوش
شر = برائی۔ عصر = زمانہ نو = نیا، جدید۔ شمر = امام حسینؑ کے قاتل کا
نام جس نے امامؑ کو خنجر سے ذبح کیا تھا۔ عصرِ نو کے شمر = مراد موجودہ
دور کے ظالم لوگ۔

رواں مطلب: (اے حسین) اب پھر اس زمانہ میں بھی ظالم افراد شمر کی مانند گڑبڑ
پھیلانے پر تُلے ہوئے ہیں۔

ہاں خاتمِ حیاتِ ابد کا نگیں ہے تو | گردونِ گیر و دار کا مہرِ مُبیں ہے تو
اک زندہ حدِّ فاصلِ دنیا و دیں ہے تو (۵۸) کونین کا تخیلِ عہد آفریں ہے تو

پھر دشتِ جنگ کو ہے ترا انتظار، اٹھ
اُٹھ رونقِ بہارِ تازہ کے پروردگار، اُٹھ

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: خاتم = انگوٹھی۔ حیاتِ ابد = ہمیشگی کی زندگی۔
نگین = نگ جو انگوٹھی پر جڑا جاتا ہے۔ گردون = آسمان۔
دار و گیر = پکڑ دھکڑ، مراد دشمن یا مخالف سے مقابلہ۔ مہر = آفتاب
مبین = کھلا ہوا، روشن۔

رواں مطلب:- اس بند میں بھی امامؑ سے خطاب جاری ہے۔ یعنی کہ اے حسین آپ
حیاتِ ابدی کو اسی طرح رونق بخشنے والے ہیں جس طرح انگوٹھی کو نگینہ
سے رونق حاصل ہوتی ہے۔ اور آپ مخالف سے مقابلہ کرنے میں
ویسے ہی نمایاں ہیں جیسے آسمان میں روشن آفتاب۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- زندہ = مراد دنیا میں ہمیشہ قائم رہنے والا۔

حدِ فاصل = ایک مقام یا علاقہ کو دوسرے سے علیحدہ کرنے والی حد۔
کونین = دونوں کائناتیں یعنی دنیا و آخرت۔ تخیل = تصوّر
عہد آفریں = زمانہ وجود میں لانے والا۔

رواں مطلب :۔ امام سے شاعر کا خطاب جاری ہے۔ کہتا ہے کہ اے حسینؓ آپ نے یزید ایسے دُنیا پرست کا مقابلہ کرکے دنیا والوں اور دین والوں کے حدیں یعنی امتیازی صفات و اعمال علیحدہ علیحدہ کر دئے۔ اور آپ نے لوگوں کو دنیا و آخرت کے بارے میں ایسا صحیح تصور دیا جس سے گویا فکر و عمل کا ایک نیا دور شروع ہو گیا

تیسرا شعر: شرح الفاظ :۔ دشت = میدان ۔ جنگ = مراد موجودہ زمانہ کے جنگ نما حالات ۔ روزگارِ تازہ = دنیا کے موجودہ حالات ۔
پروردگار = لفظی معنی پالنے والا مراد پوری طرح قابو رکھنے والا۔

رواں مطلب :۔ اے حسینؓ آئیے پھر دنیا کے جنگ نما حالات کو آپکی ضرورت ہے۔ آئیے کیونکہ آپ ہی اس جدید زمانہ کے رکھوالا ہیں۔

---

(۵۹)

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار
اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار

پھر نائب یزید ہیں دنیا کے شہریار
پھر کربلائے نو سے ہے نوعِ بشر دوچار

اے زندگی! جلالِ شہِ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزمِ حسینؑ دے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ :۔ مجروح = زخمی ۔ عدل = انصاف ۔ مساوات = برابری
شعار = طریقۂ عمل ۔ طرفہ = تعجب خیز ۔ انتشار = تفرقہ

رواں مطلب :- اس بیسویں صدی میں پھر سے قوم میں حیرت خیز تفرقہ پھیلا ہوا ہے
انصاف اور انسانوں کی باہمی برابری کا طریقہ تخریب ہو گیا ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- نائب = نیابت کرنے والا گویا نمائندہ۔ نائبِ یزید = یزید
کی مانند ظلم کرنے والے۔ یزید = یعنی یزید بن معاویہ جس کے حکم سے امام
حسینؑ اور آپ کے رفقاء و اعزا و انصار شہید کئے گئے اور بعد شہادت
آپ کے اہل حرم پر مظالم کئے گئے۔ شہریار = حاکم فرمانروا۔
کربلائے نو = کربلا وہ میدان جہاں امام حسینؑ اور رفقاء وغیرہ قتل کئے
گئے۔ کربلائے نو سے مراد کربلا کی مانند نیا میدانِ جنگ۔
نوعِ بشر = دنیائے انسانیت۔ دو چار ہونا = آمنے سامنے ہونا
گویا ایک دوسرے کے بالمقابل آنا۔

رواں مطلب :- اب اس زمانہ میں بھی یزید بن معاویہ ایسے ظالم افراد دنیا میں
اقتدار سنبھالے ہوئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا پھر انسان
کربلا ایسی جنگ کا سامنا کرنے والا ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: جلال = غصہ مراد ہمت۔ شہِ مشرقین = مراد امام حسینؑ
عزم = ارادہ عزمِ حسینؑ = کبھی نہ بدلنے والا ارادہ۔

رواں مطلب :- اب شاعر اپنے چاروں طرف کے خراب تر حالات کا مقابلہ کرنے کے
قابل ہونے کے لئے اپنی زندگی سے مخاطب ہو کر اپنے جذبات کا اس
طرح اظہار کرتا ہے کہ اے زندگی کاش موقع پر مجھ کو امام حسینؑ
کی ایسی ہمت اور امامؑ ہی کا ایسا پختہ ارادہ حاصل ہو جائے۔

۶۰

پھر گرم ہے فساد کا بازار، دوستو
سرمایہ پھر ہے برسرِ آزار، دوستو
تا کے یہ خوفِ اندک و بسیار، دوستو
تلوار، ہاں اُپی ہوئی تلوار، دوستو
جو تیز تر ہو خونِ امارت کو چاٹ کر
رکھ دے جو سیم و زر کے پہاڑوں کو کاٹ کر

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- گرم ہونا = عمل کے لئے تیار ہونا۔ بازار گرم ہونا = کسی کام کا پوری تیاریوں اور چہل پہل کے ساتھ ہوتے رہنا۔ سرمایہ = مراد سرمایہ داری کا نظام جس میں دولت محدود افراد کے قبضہ میں جمع ہو اور عوام محروم ہوں۔
برسرِ آزار = تکلیف پہونچانے پر آمادہ، تیار۔

رواں مطلب:- شاعر تمام دنیا والوں کو دوستو کہہ کر خطاب کرتا ہے اور آگاہ کرتا ہے کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ دنیا میں فساد پھوٹ پڑنے پر بالکل تیار ہے اور سرمایہ دارانہ نظام اپنی خرابیاں پھیلانے والا ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- تا کے = کب تک۔ اندک = کم۔ بسیار = زیادہ
خوفِ اندک و بسیار = مراد حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری سامان کے کم یا زیادہ ہونے کا خوف۔ اُپی ہوئی = ضرب لگانے کے انداز انداز میں اوپر کی جانب اُٹھی ہوئی۔

رواں مطلب: اے دوستو کب تک ضروری سامان کے کم و زیادہ کے خیال میں ڈرتے رہو گے آؤ ضرب لگانے کے لئے تلوار اٹھا کر تیار ہو جاؤ۔
یہ ذہن میں رہے کہ یہاں "تلوار" سے مراد دشمن کو مناسب ضرب پہونچانے کے لئے وقت و حال کی مناسبت سے تمام لازمی ہتھیار ہیں۔ تلوار کا لفظ صرف مثالی طور پر استعمال ہوا ہے۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ: تیز تر = مقابلتہً زیادہ تیز۔ امارت = مراد امیر یعنی دولتمند افراد
خونِ امارت = یہ اضافت تشبیہی ہے۔ جس میں تلوار کو استعارۃً درندہ سے تشبیہہ دی گئی ہے جبکہ درندہ کا ذکر کرنے کے بجائے صرف اس کی خاصیت یعنی خون چاٹنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ تلوار کا ذکر ما قبل (یعنی دوسرے) شعر میں کیا گیا ہے، اور یہاں یعنی تیسرے شعر کے پہلے مصرع کی ابتداء میں ضمیر "جو" سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سیم = چاندی۔ زر = سونا۔ سیم و زر = چاندی سونا مراد دولت۔ سیم و زر کے پہاڑ = یہ اضافت تشبیہی ہے۔ سیم و زر یعنی دولت کو پہاڑ سے اس مفہوم کے لئے تشبیہہ دی گئی ہے کہ دولت کے ذریعہ لئے ہوئے مظالم کا مقابلہ کرنا اتنا ہی دشوار ہوتا ہے جتنا پہاڑ کو کاٹ کر ہموار کرنا۔

مطالب: اے دوستو تمہارے ہاتھ میں ایسی تلوار (یعنی مناسب حال ہتھیار) ہونا چاہئے جو امیری کو مٹا مٹا کر تیز تر ہوتی رہے جس طرح درندہ اپنے شکار کا خون چاٹ چاٹ کر طاقتور ہوتا رہتا ہے اور جو دولت جیسے پہاڑ کو کاٹ کر رکھ دے۔

---

(۶۱)

بل کھا رہے ہیں دہر میں پھر سیم و زر کے ناگ / گونجے ہوئے ہیں گنبدِ گرداں میں غم کے راگ
پھر موت، رخشِ زیست کی تھامے ہوئے ہے باگ / تا آسماں بلند ہوا ہے زندگی کی آگ

فتنے کو اپنی آنچ کے جھولے میں جھونک دے
ہاں پھونک دے قبائے امارت کو پھونک دے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ بل کھا رہے ہیں = جوش میں آ رہے ہیں۔ دہر = زمانہ
ناگ = سانپ۔ سیم و زر کے ناگ = یہ اضافت تشبیہی ہے۔ سیم و زر

(یعنی دولت) کو سانپ سے تشبیہہ دی گئی ہے اس لئے کہ (شاعر کے عقیدے میں)
امیروں کی دولت غریبوں کے لئے اُسی طرح موجب تباہی ہے جس طرح سانپ
کا کاٹنا باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ گنبدِ گرداں = لفظی معنی گھومتے رہنے والا
گنبد یعنی آسمان۔ کیونکہ قدیم لطلیموسی نظریہ کے مطابق آسمان گھومتا رہتا تھا
یہاں گنبدِ گرداں سے مراد دنیا ہے۔

رواں مطلب :۔ اس وقت دنیا میں دولت سانپ کی مانند مظالم ڈھانے کے لئے جوش میں
آئی ہوئی ہے اور دنیا بھر میں (اس کے مظالم سے) غم و رنج کی فضا پھیلی ہوئی
ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ :۔ رخش = گھوڑا۔ زلیست = زندگی۔ رخشِ زلیست = زندگی کو
گھوڑے سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اس لئے کہ زندگی بھی گھوڑے کی تیز رفتاری
کے مانند گزرتی رہتی ہے۔ باگ = لگام۔ تھامے ہوئے ہے باگ =
یعنی اپنے قابو میں کئے ہوئے ہے۔ زندگی کی آگ = زندگی کو محفوظ رکھنے
کی فطری قوت۔

رواں مطلب :۔ اسوقت موت انسانی زندگی پر چھائی ہوئی ہے۔ پس اے زندگی کو بچانے والی
فطری قوت اتنی بلند یعنی با طاقت ہوجا کہ گویا آسمان تک پہنچ جا (کیونکہ اس
وقت کے حالات کا یہی تقاضا ہے)۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ :۔ جھولا = وہ تھیلا جس میں مانگنے والا بھیک جمع کرتا ہے۔ یعنی کشکول۔
آگ کا جھولا = وہ جھولا جس میں جلائے جانے والی چیز ڈالی جائے۔ گویا
الاؤ۔ قبا = لباس امارت = دولت قبائے امارت = یہ اضافت
تشبیہی ہے۔ امارت (یعنی دولت) کو قبا (یعنی لباس) سے تشبیہہ دی گئی ہے

رواں مطلب :۔ اس شعر میں زندگی کی آگ سے خطاب جاری ہے جو اس سے پہلے (یعنی دوسرے
شعر) میں کیا گیا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ اے زندگی کی آگ دولت کے ہتھکنڈے ہوئے ظلم

کو اپنے تھیلے میں ڈال کر اس طرح تباہ کر دے جس طرح کپڑا آگ میں جل کر ختم ہو جاتا ہے۔

اے دوستو! فرات کے پانی کا واسطہ آلِ نبیؐ کی تشنہ دہانی کا واسطہ
شبیرؑ کے لہو کی روانی کا واسطہ (۶۲) اکبرؑ کی ناتمام جوانی کا واسطہ
بڑھتی ہوئی جوان امنگوں سے کام لو
ہاں تھام لو، حسینؑ کے دامن کو تھام لو

اس بند کے پہلے دو شعروں میں واسطہ دے کر اصل بات تیسرے شعر میں کہی گئی ہے۔ اسی لئے پورے بند کا مطلب ایک ساتھ بیان ہوگا۔

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: واسطہ (دینا) = کسی قابلِ احترام یا قابلِ محبت و عقیدہ شے کو یاد دلا کر کسی کام یا خواہش کی طرف توجہ دلانا یا حوصلہ افزائی کرنا۔ آلِ نبی = امام حسینؑ اور آپکے اعزا و اہلِ حرم۔ تشنہ دہانی = پیاس۔ شبیر = امام حسینؑ۔
لہو کی روانی = خون کا بہنا، گویا قتل کیا جانا۔ اکبر کی ناتمام جوانی = جوانی کی ابتدا کیونکہ حضرت علی اکبر کی عمر شہادت کے وقت صرف اٹھارہ سال کی تھی۔
امنگ = پُرجوش خواہش۔ کام لینا = کسی شئے کے ذریعہ یا سہارے سے کام کرنا۔ دامن تھامنا = کسی کی مدد حاصل کرنا یا سہارا لینا

دیکھنا یہ ہے کہ اس بند میں کس کس کا واسطہ کس لحاظ سے دیا گیا ہے۔

(۱) فرات کے پانی اور آلِ نبی کی تشنہ دہانی کا واسطہ: میدانِ کربلا میں دریائے فرات کے بہتے ہوئے پانی کے ہوتے ہوئے امام حسینؑ اور ان کے اعزا و انصار و اہلِ حرم کی صبر آزما اور ہم سننے والوں کے لئے دل شکن پیاس یاد دلائی

گئی ہے

(۲) شبیرؑ کے لہو کی روانی کا واسطہ : امام حسینؑ کے دورانِ جنگ زخموں سے اور بالآخر قتل کئے جانے کے دوران آپ کے خون کا بہنا یاد دلایا گیا ہے۔

(۳) اکبرؑ کی ناتمام جوانی کا واسطہ : امام حسینؑ کے فرزند حضرت علی اکبرؑ کی عمر شہادت کے وقت صرف اٹھارہ سال تھی۔ یعنی آپ کی جوانی شروع ہی ہوئی تھی اس لئے آپ کی ناتمام جوانی میں قتل کئے جانے کا دلدوز واقعہ یاد دلایا گیا ہے۔

رواں مطلب :۔ شاعر نے خطاب دوستو کہہ کر ہی کیا ہے۔ کہتا ہے کہ اے میرے سننے والو تم کو امام حسینؑ اور آپ کے اعزا و انصار و اہلِ حرم کی پیاس اور آپ کے اور آپ کے فرزند حضرت علی اکبرؑ کے شہادت کے وقت بہتے ہوئے خون کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ ان کی یاد سے حوصلہ لو اور اپنے پُرجوش ارادوں پر عمل کرنے کے لئے امام حسینؑ کے عمل سے مدد لے کر آگے بڑھو۔

آئینِ کشمکش سے ہے دنیا کی زیب و زین ۔ ہر گام ایک "بدر" ہو ہر سانس اک "حنین" (۶۳)

بڑھتے رہو یونہیں پئے تسخیر مشرقین ۔ سینوں میں بجلیاں ہوں زبانوں پہ "یا حسینؑ"

تم حیدری ہو، سینۂ اژدر کو پھاڑ دو

اس خیبرِ جدید کا در بھی اُکھاڑ دو

پہلا شعر: شرح الفاظ :۔ آئین = معین طریقۂ عمل۔ کشمکش = مشکلات سے مقابلہ۔ زیب = خوبصورتی۔ زین = رونق۔ گام = قدم۔ "بدر" و "حنین" = یہ دونوں جنگوں کے نام ہیں جو آنحضرت رسولِ خداؐ کے زمانہ میں مسلمانوں اور کفارِ قریش کے مابین واقع ہوئی تھیں۔ اور دونوں میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی تھی۔

رواں مطلب : مشکلات سے مقابلہ کرتے رہنا ہی دنیاوی زندگی کی رونق ہے۔ بس چاہئے کہ یہاں ہر قدم پر پیش آنے والی مشکل کو بدر و حنین ایسی جنگ سمجھ کر کیا جائے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ :- پے = برائے۔ تسخیر = قابو میں لانا۔ مشرقین۔ مراد تمام دنیا۔ سینوں میں = مراد ارادوں میں۔ بجلیاں = مراد تیز حرکتیں "یا حسین" مدد طلبی کے طور پر نعرہ کے ذریعہ امام حسینؑ کو پکارنا۔

رواں مطلب :- شاعر کا ساتھیوں سے خطاب جاری ہے۔ کہتا ہے کہ پوری دنیا کو قابو میں لانے کے لئے بڑے ارادوں اور "یا حسین" کے نعروں کے ساتھ کوشش میں مصروف رہو۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ۔ حیدری : امام علی پر عقیدہ رکھنے والے۔ سینۂ اژدر = اژدھے کا سینہ۔ یہ تلمیح ہے اس واقعہ کی طرف کہ ایک روایت کے مطابق حضرت علیؑ بچپنے میں پالنے میں لیٹے ہوئے تھے کہ آپ کے قریب ایک اژدہا آگیا۔ آپ نے اس کا پھن (یعنی لمبا منھ) پکڑ کر چیر ڈالا۔ شاعر نے اسی کو سینہ پھاڑنا کہا ہے خیبرِ جدید = نیا خیبر اس میں بھی تلمیح ہے جنگِ خیبر کی طرف۔ یہ جنگ بھی آں حضرت رسول خداؐ کے زمانۂ حیات میں ۷ھ میں یہودیوں سے ہوئی تھی۔ اس جنگ میں حضرت علیؑ نے یہودیوں کے قلعہ کا جو مدینہ کے قریب خیبر نامی علاقہ میں واقع تھا مضبوط دروازہ اکھاڑ کر فتح حاصل کی تھی۔ چنانچہ فتحِ خیبر حضرت علی کے بڑے کارناموں میں شمار ہوتی ہے۔

رواں مطالب :۔ شاعر ساتھیوں سے خطاب جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ تم حضرت علیؑ کے عقیدتمند ہو اس لئے تم کو چاہیئے کہ دشمن کا مقابلہ اسی بہادری سے کرو جس طرح حضرت علیؑ نے بچپنے میں اژدہے کا کلہ چیر ڈالا تھا۔ اور انہی حضرت کی مانند تم بھی موجودہ دور کے دشمن کو خیبر کے دروازہ کی مانند اکھاڑ پھینکو۔

ظاہراً خیبر جدید سے اشارہ ہے اُسوقت (یعنی اس مرثیہ کی تصنیف کے وقت) کے ملک ہندوستان میں جس میں پاکستان کا علاقہ بھی شامل تھا انگریزی تسلط کے خلاف کوششوں کی طرف جو اس مرثیہ کی تصنیف کے وقت نمایاں طور پر جاری تھیں۔

جاری رہے کچھ اور یونہیں کاوش ستیز
وہ فوجِ ظلم دجور ہوئی مائل گریز
(۶۴)
ہر وار، بے پناہ ہو، ہر ضرب، لرزہ خیز
اے خون، اور گرم ہو، اے نبض اور تیز
عفریتِ ظلم کانپ رہا ہے اماں نہ پائے
دیوِ فساد ہانپ رہا ہے، اماں نہ پائے

پہلا شعر: شرحِ الفاظ :۔ کاوش = کوشش۔ ستیز = مقابلہ۔ ضرب = چوٹ
لرزہ خیز = کپکپی ڈالدینے والی۔

رواں مطلب :۔ اس بند میں شاعر کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے گویا دشمن سے مقابلہ شروع ہو گیا ہے اور شاعر ساتھیوں کو دیکھ دیکھ کر حوصلہ

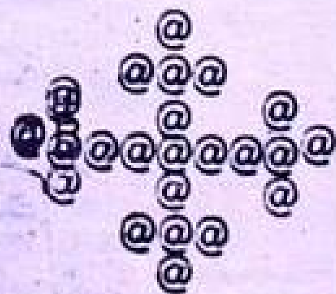
اغزا الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ ہاں اسی طرح اپنی کوشش جاری رکھو اور ہر ضرب ایسی سختی سے لگاتے رہو کہ دشمن کانپ کانپ جائے اور بچاؤ نہ کر سکے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ مائلِ گریز = بھاگنے پر تیار۔ خون گرم ہونا اور نبض تیز ہونا = محاورہ کے مطابق عمل میں جوش پیدا ہونے کو کہا جاتا ہے۔

رواں مطلب:۔ اب شاعر مزید حوصلہ افزائی کے لئے کہتا ہے کہ دیکھو مخالف میدان سے بھاگنے ہی والا ہے۔ بس ذرا خون اور نبض میں تھوڑی اور گرمی یعنی تیزی پیدا کر لو (تاکہ کامیابی حاصل ہو جائے)۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ عفریت = جن۔ دیو = بھوت عفریتِ ظلم اور دیوِ فساد دونوں تشبیہی اضافتیں ہیں۔ کیونکہ جن اور دیو کی طرح ظلم اور فساد بذاتِ خود دکھائی نہیں دیتے لیکن ان کے برے اثرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

رواں مطلب:۔ اس شعر میں پیشرو شعر کا خطاب جاری ہے جس میں یہ تاکید ہے کہ کوشش میں کمی نہ آنے پائے کیونکہ دشمن ہارنے کے قریب ہے



تاخیر کا یہ وقت نہیں ہے دلاورو — آواز دے رہا ہے زمانہ، بڑھو، بڑھو
(۶۵)
ایسے میں باڑھ پہ ہے جوانی ہمبڑھے چلو — گرج جو مثالِ رعد، گرج کر برس پڑو
ہاں زخم خوردہ شیر کی ڈھکار، دوستو
جھنکار، ذوالفقار کی جھنکار، دوستو

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:۔ تاخیر = دیر۔ دلاورو = بہادرو۔ آواز دے رہا ہے = پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ یعنی وقت کا تقاضا ہے۔

رواں مطلب: اس بند میں بھی شاعر کا اپنے مصروف کارزار ساتھیوں سے خطاب جاری ہے۔ کہتا ہے کہ اے بہادرو دیر مت کرو بڑھتے رہو۔ وقت کا تقاضا یہی ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ باڑھ = تلوار کی دھار۔ باڑھ پر ہونا = تلوار کی دھار کا تیز ہونا۔ گرجنا = بادل سے قدرتی آواز کا نکلنا۔ رعد = گرجنے والا بادل۔ برس پڑو = مخالف پر لوٹ پڑو۔

رواں مطلب:۔ اس وقت جوانی جوش پر ہے۔ کوشش میں لگے رہو۔ بادل کی مانند گرجتے یعنی نعرے لگاتے رہو اور بارش کی مانند اس پر لوٹ پڑو۔

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ زخم خوردہ = زخمی۔ ڈھکار = شیر کی آواز۔ جھنکار = تلواروں چلائے جانے کی آواز۔

رواں مطلب:۔ جس طرح شیر زخم کھا کر زیادہ زور سے دہاڑتا ہے تم بھی وہی طرز اختیار کرو۔ اور تمہاری تلواروں کے چلنے کی جھنکار پیدا ہوتی رہے بلکہ ذوالفقار کی سی جھنکار ہو جو حضرت علیؑ کی تلوار تھی اور ہمیشہ کامیاب و فتحیاب ہوتی تھی۔

اے حاملانِ آتشِ سوزاں، بڑھے چلو اے پیروانِ شاہِ شہیداں، بڑھے چلو!
(۶۶)
اے فاتحانِ صرصر و طوفاں، بڑھے چلو اے صاحبانِ ہمتِ یزداں، بڑھے چلو!

تلوار، شمرِ عصر کے سینے میں بھونک دو
ہاں جھونک دو، یزید کو دوزخ میں جھونک دو

پہلا شعر: شرحِ الفاظ:- حاملان = جمع حامل کی فارسی طریقہ سے۔ معنی اٹھانے والے
آتش = آگ۔ سوزاں = بھڑکتی ہوئی۔ حاملانِ آتشِ سوزاں = مراد غصّہ اور جوش کے جذبات سے بھرے ہوئے۔ پیرواں = جمع پیرو کی فارسی طریقہ سے۔ معنی پیچھے چلنے والے، پیروی کرنے والے۔
شاہِ شہیداں = امام حسین ع کا لقب (سید الشہداء کا فارسی ترجمہ)۔

مطلب صاف ہے۔
دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:- فاتحان = جمع فاتح کی فارسی طریقہ سے معنی فتح کرنے والے۔ مقابلہ میں زیر کرنے والے۔ صرصر = ریگستانی ہوا۔ طوفاں = آندھی اور تیز بارش۔ فاتحانِ صرصر و طوفاں = مراد ہر قسم کی سخت سے سخت مشکلوں کا کامیاب مقابلہ کرنے والے۔
صاحبان = جمع صاحب کی فارسی طریقہ سے۔ معنی مالک۔
یزداں = مراد اللہ تعالیٰ۔ ہمتِ یزداں = اللہ کی ہمت
ہمتِ یزداں کہہ کر شاعر نے مشہور محاورہ "ہمتِ مرداں مددِ خدا" کو مبالغہ کے طور پر الٹ کر ہمتِ یزداں کہا ہے
ظاہراً مراد یہ ہے کہ نہ صرف خود ہمت کرکے اللہ کی مدد پر نظر

کرو بلکہ ہمت ہی اللہ کی سی کرو۔

رواں مطلب :۔ اے میرے ساتھیو۔ تم گزشتہ زمانوں میں بڑے بڑے معرکے سر کر چکے ہو۔ تم اللہ کی سی ہمت کے حامل ہو۔ تم اپنی کوشش جاری رکھو اور منزل کی جانب بڑھتے رہو۔

تیسرا شعر: شرح الفاظ :۔ شمر = امام حسینؑ کا قاتل جس نے امامؑ کو خنجر سے ذبح کیا تھا۔ شمرِ عصر = مراد موجودہ زمانہ کا (بلکہ ہر زمانہ کا) ہر سنگدل ظالم۔ یزید = یزید بن معاویہ خلیفۂ وقت جس نے امام حسین کے قتل کئے جانے کا حکم دیا اور جو آپ کے قتل کے بعد کے مظالم کا بھی ذمہ دار تھا۔

رواں مطلب :۔ اے لوگو، اپنے زمانہ کے ظالموں اور ظالم حکمرانوں کے سینوں میں تلواریں بھونک کر قتل کر ڈالو تاکہ وہ دوزخ میں ڈال دئے جائیں۔

---

(۶۷)

دیکھو، وہ ختم ظلم کی حد ہے، بڑھے چلو
اپنا ہی خود یہ وقتِ مدد ہے، بڑھے چلو

بڑھنے میں عزت اب وجد ہے بڑھے چلو
وہ سامنے حیاتِ ابد ہے، بڑھے چلو

اُلٹے رہو کچھ اور یونہیں آستین کو
اُلٹی ہے آستین تو پلٹ دو زمین کو

پہلا شعر: شرح الفاظ :۔ اپنا ہی خود یہ وقتِ مدد ہے = یہ اپنی مدد آپ کرنے کا وقت ہے۔

مطلب صاف ہے۔

دوسرا شعر: شرح الفاظ:- اب = باپ - جد = دادا عزتِ اب و جد = باپ دادا کی عزت - حیاتِ ابد = ہمیشگی کی زندگی۔

دوالی مطلب: ساتھیوں سے شاعر کا خطاب جاری ہے - کہتا ہے - برابر کوشش کرتے رہو کیونکہ اسی سے باپ دادا کی حاصل کی ہوئی عزت تمہارے لئے بھی قائم رہیگی - اور دیکھو آخری منزل یعنی ہمیشگی کی پُرکیف زندگی قریب آگئی ہے - اس کی جانب چلے چلو -

تیسرا شعر: شرح الفاظ:- آستین الٹنا = تلوار سے دست بدست جنگ کرنے کی صورت میں کرتے کی آستین الٹ لی جاتی تھی تاکہ آستین کا ہاتھ پر لٹکتا ہوا حصہ تلوار چلانے میں حارج نہ ہو - اس لئے آستین الٹے رہنا لڑتے رہنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے - گویا مصروف جنگ رہنے کو کہا جا رہا ہے - البتہ قدیم محاورہ کے ذریعہ ہے -

کچھ اور = زیادہ دیر تک - یونہی = اسی جوش کے ساتھ - زمین پلٹ دو = حالات بدل دو - مثلاً ظلم مٹا کر عدل و انصاف قائم کر دو -

مطلب صاف ہے -

اے جانشین حیدر کرار المدد | (۶۸) | اے منچلوں کے قافلہ سالار المدد
اے امرِ حق کی گرمئ بازار المدد | | اے جنسِ زندگی کے خریدار المدد

دنیا تری نظیر شہادت لئے ہوئے
اب تک کھڑی ہے شمع ہدایت لئے ہوئے

اس بند کے پہلے دو شعروں میں امام حسین ؑ کو آپ کی صفات بیان کرکے مدد کے لئے گویا آواز دی ہے - تیسرے شعر میں بات کہی ہے -

پہلا شعر: شرحِ الفاظ: جانشین = پیشرو کی جگہ حاصل کرنے والا۔ حیدرِ کرّار = امام علیؑ کا لقب
جانشینِ حیدرِ کرّار = امام حسینؑ۔ المدد = مدد کو آئیے۔ منچلوں = جمع
منچلے (منچلا) کی ہندی طریقہ سے۔ یعنی نڈر، بہادر۔ قافلہ سالار = قافلہ کا سردار
مطلب صاف ہے۔

دوسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ امرِ حق = مراد اسلام۔ گرمیِ بازار = مراد رونق۔ جنس = خرید
فروخت ہونے والی چیز۔ جنسِ زندگی = یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ زندگی کو خرید و
فروخت کے قابل کہنے کے لئے جنس کہا گیا ہے۔

رواں مطلب: اس شعر میں بھی امامؑ کو مدد کے لئے آواز دی گئی ہے آپ کی صفات بیان کر کے
یعنی اے حسین آپ اسلام کی رونق میں مدد کو آئیے۔ ہم اپنی زندگی یعنی جان
آپ پر نثار کرنے پر تیار ہیں۔ آپ اس کو خرید لیجئے (اور ہمیں اسکی قیمت میں حیاتِ
ابدی عطا فرما دیجئے)

تیسرا شعر: شرحِ الفاظ:۔ نظیر = مثال۔ شمعِ ہدایت = یہ اضافتِ تشبیہی ہے۔ ہدایت کو شمع سے
تشبیہہ دی گئی ہے اس لئے کہ ہدایت انسان کو زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ سکھاتی ہے
جس طرح شمع اندھیرے میں روشنی پیدا کر کے چلنے کا راستہ دکھاتی ہے۔

رواں مطلب: دنیا آج تک آپ کی شہادت کی مثال سے ہدایت حاصل کر رہی ہے اور
پھیلا رہی ہے۔

تمت بالخیر

سید علی رضا

شکاگو۔ امریکہ
۵ رجولائی سنہ ۱۹۹۶ء